جلد ۸۷   اپریل ۱۹۷۷ء   عدد ۲

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مرتبہ

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

سیرت کا پیغام

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

[ایک تقریر جو ۲۲ - اکتوبر ۱۹۷۵ء کو پنجاب یونیورسٹی یونین کی دعوت پر یونیورسٹی کے نئے کیمپس میں کی گئی تھی]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

حیاتِ مبارکہ کے پہلوؤں کا انقلابی جائزہ

قیمت: قسم اعلیٰ : ایک روپیہ
سستا : پچھتر پیسے

اسلام میں انسانی حقوق

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

ایک تقریر جو فلیٹیز ہوٹل لاہور میں شہری حقوق اور آزادیوں کے فورم کی دعوت پر ۱۶ نومبر ۱۹۷۵ء کو کی گئی تھی]

قیمت : ۲۰ / ۱ روپیہ

****

اِدارۂ ترجمان القرآن - اِچھرہ - لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۸۷	اپریل ۱۹۷۷ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ	عدد ۲

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ - لاہور

فون نمبر ——— ۴۱۱۰۱۶ ——— ۴۱۱۰۱۷

زر سالانہ بارہ روپے - فی پرچہ ۱/۲۵ روپیہ

ابوالخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

پرنٹر: محمد شفیع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

بالآخر وہی ہوا جس کا دھڑکا اِس ملک کے تمام بہی خواہوں کو مدت سے لگا ہوا تھا کہ انتخابات غیر جانبدارانہ اور منصفانہ نہیں ہوں گے اور وہ ووٹ کے ذریعہ اپنے حکمرانوں کو تبدیل کرنے میں ناکام رہیں گے۔ عوام کے یہ اندیشے بے بنیاد نہ تھے بلکہ بعض ٹھوس وجوہ کی بناء پر اُنہیں یہ خدشات لاحق تھے۔ اُن میں پہلی وجہ انتقالِ اقتدار کے بارے میں پاکستان میں کسی اچھی اور صحت مند روایت کا فقدان تھا۔ اِس ملک کے قیام کے بعد یہاں جو شخص بھی مسندِ اقتدار پر قابض ہوا، اُس نے زیادہ سے زیادہ مدت تک اِس سے چمٹے رہنے کی کوشش کی اور کبھی خوشدلی کے ساتھ رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے اِس سے الگ ہونے پر آمادگی ظاہر نہ کی۔ اُس نے جب بھی اِس مسند کو چھوڑا تو عوامی دباؤ کے تحت اور ذلت و رسوائی کے ساتھ ہی چھوڑا۔ قوموں کی زندگی میں اچھی روایات شاہراہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جس قوم کے پاس صحت مند روایات کا بیش قیمت سرمایہ موجود ہو، وہ قوم کسی تصادم اور زیان کے بغیر اپنی منزل کی طرف گامزن رہتی ہے اور جو قوم اِس سرمایہ سے محروم ہو جاتی ہے اُس کی بیشتر صلاحیتیں باہمی سر پھٹول میں ضائع ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ہمارے حکمرانوں نے چونکہ ووٹ کے تقدس کو پامال کر کے دھاندلیوں کے ذریعہ اقتدار حاصل کیا ہے، اِس بنا پر اِس ملک کے عوام اِس امانت کی غیر معمولی اہمیت اور قوت سے پوری طرح آشنا نہیں ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ اِس شبہ میں گرفتار رہے کہ آیا وہ ووٹ کی مدد سے اپنے حکمرانوں کو تبدیل کر سکتے ہیں؟ حالیہ انتخابات میں برسرِ اقتدار طبقے کی طرف سے جس وسیع پیمانے پر دھاندلیاں ہوئی ہیں، اُنہوں نے ووٹ کی فیصلہ کُن اہمیت کے بارے

میں عوام کے خدشات کو تقویت پہنچاتی ہے۔

جمہوریت پر لوگوں کے اعتماد کو مجروح کرنے والی دوسری چیز مسٹر بھٹو کا اپنا مزاج ہے۔ عوام کی نظروں کے سامنے اُن کی سیاسی زندگی کے تین اَدوار ہیں ۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب کی کابینہ میں ایک رُکن کی حیثیت سے، پیپلز پارٹی کے قائد کی حیثیت سے اور پھر سربراہِ مملکت کی حیثیت سے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ وہ زبان کی حد تک تو جمہوریت کا دعوٰی کرتے رہے ہیں، لیکن عمل کا ہر میدان اُن کے دعوے کی پوری شدت سے تکذیب کرتا ہے ۔جب تک وہ فیلڈ مارشل صاحب کے ساتھ رہے ، وہ نہ صرف اُن کے ہر قول اور فعل کی ،خواہ وہ کتنا ہی جمہوریت کش تھا، تائید کرتے رہے ، بلکہ اُنہیں غیر جمہوری راستے اختیار کرنے کا مشورہ دیتے رہے ۔ اُنھوں نے اپنے دَورِ وزارت میں فیلڈ مارشل صاحب کو یہ بات سجھائی کہ کنونشن لیگ کی تنظیم تو اِس انداز پر کی جائے کہ ضلع کا ڈپٹی کمشنر اِس سیاسی جماعت کا صدر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس اِس کا سیکرٹری ہو۔

کابینہ سے نکلنے کے بعد جب اُنھوں نے ایک نئی سیاسی جماعت کی تشکیل کی تو اُس کا پورا ڈھانچہ آمریت کی اساس پر استوار کیا گیا ۔ اِس جماعت کی طرف سے عوام کو جو نعرے دیے گئے اُن میں خطرناک تضاد پایا جاتا ہے اور اُس کا سارا کاروبار انتخابات کے ذریعہ نہیں بلکہ نامزدگیوں کے بل بوتے پر چلایا جاتا رہا ہے ۔ پیپلز پارٹی کی جدّوجُہد کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ بات بادنیٰ تامّل سمجھ میں آسکتی ہے کہ پوری جماعت کی غرض و غایت بجز اِس کے اور کچھ نہیں کہ ذوالفقار علی بھٹو کی شخصیت کو ہر طریقہ سے غیر معمولی طور پر اُبھارا جائے۔ اِس سیاسی جماعت کی غلط نشوونما کا نتیجہ یہ ہے کہ پوری تنظیم ایک مقتدر شخصیت کا محض اشتہار معلوم ہوتی ہے اور اگر وہ شخصیت اِس سے الگ کر دی جائے تو اِس کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی۔ اِس جماعت کی تشکیل و تنظیم اِس انداز پر کی گئی ہے اور اِس کی سعی و جُہد کا نہج اِس طرح متعین کیا گیا ہے کہ صرف ایک شخص کا قد کاٹھ ہی غیر معمولی طور پر نمایاں ہو اور باقی افراد اُس کے سامنے بالکل بونے نظر آئیں اور جماعت میں ہر دوسرے شخص کا مرتبہ و مقام بھٹو صاحب کی غیر مشروط اطاعت اور چاکری کی نسبت سے متشخص کیا جائے ۔ اِن حالات میں عوام یہ سوچنے پر مجبور

تھے کہ جو شخص اپنی سیاسی جماعت میں جمہوریت کا وجود گوارا نہیں کر سکتا وہ ملک کے اندر جمہوری اداروں کو کس طرح پھلتے پھولتے دیکھ سکتا ہے؟

سازش اور ہنگامہ آرائی کے ذریعہ جب یہ شخص تختِ اقتدار پر فائز ہوا تو اُس نے ایک ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جو سراسر آمرانہ تھا۔ اُس نے تختِ اقتدار پر متمکن ہو کر ایوان سے ایسے مطالبات منوانے شروع کیے جن کے برملا اظہار کی کبھی آمروں کو بھی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اُس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ اگرچہ ووٹوں کے ذریعے ملک کا سربراہ بنا ہے، مگر اُسے اُمورِ سلطنت چلانے کے لیے مارشل لاء درکار ہے اور اسمبلی کو اُس کے اِس مضحکہ خیز مطالبے کے سامنے با دلِ نخواستہ جھکنا پڑا۔ اِس کے کچھ عرصہ بعد اگرچہ بھٹو صاحب نے آئینی طور پر اپنی حیثیت بدل لی مگر اُن کے مزاج اور اطوار میں قطعاً کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ اُنہوں نے ملکی آئین کا، جو پاکستانی عوام کی اُمنگوں کا بڑی حد تک ترجمان تھا، ایسا حلیہ بگاڑا کہ اُس کی جمہوری رُوح بالکل ختم ہو کر رہ گئی۔ حزبِ اختلاف کی راہ میں ایسی مشکلات کھڑی کر دی گئیں کہ اُس کے لیے اپنے فرائض کا انجام دینا بالکل ممکن نہ رہا۔ عوام سے تحریر و تقریر کی آزادی اور اجتماع کا حق سلب کر لیا گیا، صحافت پر مختلف قسم کی ناروا پابندیاں عائد کی گئیں جن کی وجہ سے بیشتر اخبارات سرکاری خبرنامے بن کر رہ گئے۔ دفعہ ۱۴۴ کے مسلسل نفاذ نے سیاسی زندگی کو بالکل معطل کر کے رکھ دیا۔ الغرض حکومت نے ہر وہ کام کیا جس سے جمہوری عمل رُک جائے اور ملک پر ایک پارٹی کی نہیں بلکہ ایک شخص کی آمریت جمہوریت کے عنوان سے مسلط ہو جائے۔

اِن حالات میں جب سات جنوری کو ملک میں عام انتخابات کا اعلان کیا گیا تو عوام نے اُسے محض ایک ڈھونگ سمجھا اور انتخابی سرگرمیاں شروع کرنے کے بجائے کچھ دن اِس انداز پر سوچتے رہے کہ کیا انتخاب کے اِس ڈرامہ میں حصّہ لینا ملک و ملت کے لیے کچھ نتیجہ خیز بھی ہو گا یا نہیں؟ بھٹو صاحب کا آمرانہ مزاج اور اُن کا جمہوریت کُش طرزِ عمل اُن کے سامنے تھا۔ اِس لیے وہ انتخابات کے ہنگاموں میں شریک ہونے کے بارے میں بڑے متامّل تھے۔ لیکن قومی اتحاد کے معرضِ وجود میں آنے سے اُن کی ہمت بندھی اور وہ یک زبان ہو کر ووٹ کے ذریعہ حکومت کو تبدیل کرنے کے لیے سرگرمِ عمل ہو گئے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اُنہیں بھٹو صاحب کے آمرانہ رجحانات کا پہلے سے اندازہ

تھا۔ وہ اپنے ملک کی نوکر شاہی کے طرزِ فکر سے بھی کسی حد تک واقف تھے، اس لیے سو فیصد منصفانہ انتخابات کی اُنہیں قطعاً توقع نہ تھی۔ لیکن اِن سارے موانع کو پوری طرح نگاہ میں رکھنے کے باوجود اگر اُنہوں نے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا، تو محض اِس بنیاد پر کیا کہ مسٹر بھٹو منصفانہ انتخابات کے انعقاد کی جو بار بار سوگند کھا رہے ہیں اُس کا کچھ تو پاس کریں گے اور اپنے ضمیر کی خلش کی وجہ سے نہ سہی، دوسری اقوام کی حرف گیری سے بچنے کے لیے اور ملکی وقار کی خاطر اِس طرح کی کھلی دھاندلیوں سے مجتنب ہی رہیں گے جن سے پاکستان کے انتخابات پوری دُنیا میں اُن کی ذات اور ملک و ملت کی رسوائی کا باعث بنیں۔ جس شخص کو اپنی عزت کا ذرا بھی احساس ہوتا ہے، وہ اگر بد دیانت بھی ہو تو ایسی بد دیانتی کرنے سے گریز کرتا ہے جس سے اُس کی عزت ہی معرضِ خطر میں پڑ جائے۔ اِسی مسلّمہ حقیقت کو پیشِ نظر رکھ کر عوام یہ سوچتے تھے کہ بھٹو صاحب بلاشبہ اقتدار کے انتہائی حریص ہیں اور اِس کے حصول کی خاطر وہ ہر چیز داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہو سکتے ہیں، لیکن دھاندلیوں کے معاملے میں وہ اِس سطح پر اُترنے کے لیے اغلباً آمادہ نہ ہوں گے جس سے بین الاقوامی برادری میں اُن کی ساکھ بالکل گر جائے۔

عوام کے اِس فیصلے کی دوسری بڑی وجہ انتظامیہ کی اخلاقی گراوٹ کے بارے میں اُن کا غلط اندازہ تھا۔ وہ اِس امر سے تو بخوبی واقف تھے کہ انتظامیہ اب اپنی منصبی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے بجائے حکمران جماعت کی منظورِ نظر بننے کے لیے کوشاں رہتی ہے اور اِس مقصد کے لیے وہ بسا اوقات ایسی اخلاق سوز حرکات کرنے پر بھی آمادہ ہو جاتی ہے جن کا انسان تصور نہیں کر سکتا۔ لیکن اِن تلخ حقائق کو جاننے کے باوجود عوام کا ذہن یہ باور کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا تھا کہ ساری نوکر شاہی برسرِ اقتدار طبقہ کی شہ پا کر عدل و انصاف کے بنیادی تقاضوں کو پوری ڈھٹائی کے ساتھ نظر انداز کر دے گی اور اپنے منصب کے وقار کو بے دریغ قربان کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔ سرکاری ملازم حکمرانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بالعموم تگ و دَو کرتے ہی رہتے ہیں اور بعض اوقات اِس تگ و دَو میں اُن سے کچھ زیادتیاں بھی سرزد ہو جاتی ہیں، لیکن وہ وسیع پیمانے پر کوئی ایسی دھاندلی کرنے سے ڈرتے ہیں جس سے اُن کا مستقبل بالکل تاریک ہو کر رہ

جائے کیونکہ انہیں ہر لمحہ اِس بات کا احساس رہتا ہے کہ حکومتیں تو بدلتی رہتی ہیں، اِس لیے انہیں کوئی ایسی گھناؤنی حرکت نہ کرنی چاہیے جو بعد میں ان کے لیے وجہ پریشانی بن جائے۔ اِس بنا پر ہر دانش مند سرکاری ملازم گو حکمران طبقہ کی نظرِ کرم کا خواہشمند ہوتا ہے، لیکن کوئی ایسا انتہا پسندانہ طرزِ عمل اختیار کرنے سے ہمیشہ گریز کرتا ہے جس سے نئی حکومت کی نظروں میں اس کی حیثیت مشکوک ہو کر رہ جائے۔ صدارت وزارت تو عارضی مناصب ہیں اور سول سروس ان کی نسبت زیادہ پائیدار ملازمت ہے، اِس لیے کوئی معقول سول سرونٹ عارضی مناصب پر فائز افراد کی خاطر اپنی مستقل ملازمت کو خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار نہیں ہوتا مگر افسوس، اِن انتخابات میں نوکر شاہی نے اِس معقول اور دانشمندانہ روش کو چھوڑ کر ایک ایسا عاقبت نا اندیشانہ رویہ اختیار کیا ہے جو نہ صرف اُن کے اخلاقی افلاس پر دلالت کرتا ہے، بلکہ اُن کے ذہنی دیوالیہ پن کا بھی ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ اُنہوں نے کوتاہ نظری سے اپنی قسمت کو ایک سیاسی جماعت سے وابستہ کر کے ایک ایسا جانبدارانہ رویہ اختیار کیا ہے جو اُن کے لیے اور بعد میں آنے والی انتظامیہ کے لیے بڑی مشکلات پیدا کرے گا۔ ظاہر بات ہے جب موجودہ نوکر شاہی پیپلز پارٹی کا ایک فریق بن کر اُس کے لیے ہر جائز و ناجائز کام کرنے کو اپنا کمال سمجھتی ہے، تو دوسری سیاسی جماعتیں اُسے کس طرح بھروسے کے قابل سمجھیں گی؟ کیا اقتدار کی تبدیلی کے بعد بھی اس نوکر شاہی کی موجودہ حیثیت قائم رہے گی؟

ناسازگار حالات کو پوری طرح جاننے کے باوجود قومی اتحاد نے اگر انتخابات میں حصہ لیا تو اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پاکستان اور بھارت دونوں ممالک کے برسرِ اقتدار طبقے چونکہ اپنے جمہوریت کُش طرزِ عمل سے دُنیا میں کافی حد تک بدنام ہو چکے تھے، اس لیے انتخابات کے اعلان کے بعد عوام میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ ان لوگوں نے نئے انتخابات کرانے کا یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے تاکہ اِس جمہوری عمل کے ذریعہ وہ اپنی جماعتوں اور ملکوں کی گرتی ہوئی ساکھ بحال کر سکیں۔ لہٰذا وہ ایسی کارروائیاں کرنے کی جرأت نہ کریں گے جن سے اُن کی گرتی ہوئی ساکھ بحال ہونے کے بجائے خاک میں مل کر رہ جائے۔ پاکستان میں اِس تاثر کو بھٹو صاحب کے اُن بیانات نے بھی تقویت پہنچائی جن میں وہ بڑے فخر

کے ساتھ ہر مقام پر اور ہر محفل میں دہرا رہے تھے کہ انہوں نے انتخابات کا پہلے اعلان کر کے جمہوریت کے میدان میں ایسی پیش قدمی کی ہے کہ بھارت کی سربراہ مسز اندرا گاندھی اُن کی تقلید میں وہاں انتخابات منعقد کرانے پر مجبور ہو گئی ہیں۔ اس اعلان سے عوام کے اندر یہ خیال پیدا ہوا کہ انتخابات کا یہ اہتمام جسے بھٹو صاحب بھارت کے لیے قابلِ تقلید ٹھیرا رہے ہیں ایسے بھونڈے انداز کا تو نہ ہو کا جس سے پوری دنیا میں اُن کی اور پاکستان کی رسوائی ہو۔ مگر افسوس کہ عوام کے اندازے بالکل غلط ثابت ہوئے۔ انتخابات میں بھارت سے پیش قدمی کرنے والا ملک اور اس کا حکمران وسیع پیمانے پر دھاندلیوں کی وجہ سے بدنام ہوئے اور تقلید کرنے والی مملکت اور اس کی سربراہ جمہوری روایات کا احترام کر کے دُنیا میں سربلند اور نیک نام ہوئیں۔ انہوں نے گذشتہ دو سالوں میں انسانی حقوق کو پامال کر کے اپنی شہرت کو جس قدر داغدار کیا تھا، منصفانہ انتخابات کی مدد سے اُس کی کافی حد تک تلافی کر لی ہے، جبکہ ہمارے حکمرانوں نے انتخابات میں شرمناک ہتھکنڈے استعمال کر کے ملک و ملت کو اِس حد تک بدنام کیا ہے کہ ہم شرم کے مارے کسی قوم کے ساتھ اپنی آنکھیں چار کرنے کے قابل نہیں رہے۔

اِن انتخابات کا سب سے المناک پہلو یہ ہے کہ بھٹو صاحب ایک طرف تو ووٹ کا تقدس پامال کر کے محض انتظامیہ کی اندھی بہری قوت کے بل بوتے پر مسندِ اقتدار پر قابض ہوتے ہیں اور دوسری طرف وہ اِس بات کے بھی طالب ہیں کہ ملک کے عوام ایک جمہوری سربراہ کی حیثیت سے اُن کا احترام کریں اور انہیں دل کے گوشے میں وہ جگہ دیں جو عام طور پر رائے عامہ کی ترجمان شخصیتوں کو دی جاتی ہے۔ رائے عامہ کے علی الرغم اگر وہ محض فوج، ایف ایس ایف، پولیس اور نوکر شاہی کی قوت سے عوام کی گردنوں پر مسلط رہنے کا تہیہ کر چکے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنے دعوائے جمہوریت سے یکسر دست بردار ہو جائیں اور اپنے آپ کو برملا ایک آمر کی حیثیت سے دُنیا کے سامنے پیش کریں۔ اُن کے مزاج، اُن کی گذشتہ پانچ برس کی کارروائیوں اور خود اپنی جماعت کے اندر اُن کے غیر جمہوری طرزِ عمل کو دیکھتے ہوئے کوئی عقل کا اندھا ہی انہیں "جمہوریت نواز" کا خطاب دے سکتا ہے۔ ایک معمولی سوجھ بوجھ کا آدمی بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ بھٹو صاحب اِس ملک

کو بڑی سُرعت کے ساتھ ایک بدترین قسم کی آمریت کی طرف لے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ افراد کی آزادیاں سلب کر کے اُنہیں اجتماعیت کی جکڑ بندیوں میں کسا جا رہا ہے۔

آمریت کی تفصیلات کو اگر نظر انداز کر کے اُس کے بنیادی نقاط پر غور کیا جائے تو وہ صرف چار ہیں:

— ملک کا نظم ونسق عوام کی رائے اور تائید سے چلانے کے بجائے حکمران کی ذاتی رائے بلکہ خواہش کے مطابق چلایا جائے۔

— ایک سیاسی جماعت ہی اقتدار پر بلا شرکتِ غیرے قابض ہو اور یہ جماعت بھی ایک ہمہ مقتدر شخصیت کی بے ضمیر باندی ہو جو اُس کے اشارۂ ابرو پر ہر وقت رقص کرنے کے لیے تیار ہو۔

— ملک کا انتظام عوام کے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے عوامی نمائندے نہیں بلکہ حکمران کے مفاد کی بنیاد پر بڑے ظالمانہ انداز سے جابر نوکر شاہی چلائے۔

— تنقید اور احتساب کے سارے راستے مسدود کر دیے جائیں اور قوم کے سارے وسائل ایک مرکزی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لیے بے دریغ استعمال کیے جائیں۔

یہ ہیں آمریت کی چند بنیادی خصوصیات۔ اب دیکھیے کیا ہمارے ملک کا نظامِ حکومت اِن خصوصیات کا حامل نہیں ہے؟ کیا شخصِ واحد کی ہوسِ اقتدار کی تسکین کے لیے پوری قوم کو ظلم و استبداد کی بے رحم چکّی میں پیسا نہیں جا رہا؟ کیا یہاں کے عوام کا یہ مطالبہ کسی لحاظ سے غیر معقول اور ملک کے لیے کسی اعتبار سے بھی خطرے کا باعث ہے کہ اس ملک کے حکمران اُن کی آزادانہ مرضی سے منتخب ہوں اور وہ نظامِ اسلامی قائم کرنے کے پابند بھی ہوں کیونکہ یہ ملک بے شمار قربانیاں دے کر اسلام اور صرف اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے؟ لہٰذا اس مملکتِ خداداد میں اسلام کے علاوہ کسی "ازم" کو پَر پُرزے نکالنے کا موقع نہیں دیا جا سکتا

اب اگر بھٹو صاحب اِس ملک میں "سوشلزم" قائم کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ انہوں نے انتخابات کے بعد ہی غیر ملکی اخبار نویسوں کو بتایا ہے تو پھر انہیں "اسلام ہمارا دین ہے" اور "جمہوریت ہماری سیاست ہے" کے پُر فریب نعرے چھوڑ دینے چاہییں۔ اُنہیں کھُل کر یہ کہنا چاہیے کہ میں ملک پر آمرانہ نظام اِس وجہ سے مسلط کر رہا ہوں تاکہ یہاں اشتراکیت کے نیام (باقی بر صفحہ ۴۸)

باب ۱۳

ہجرت الی المدینہ

سب سے پہلے مہاجر ابن جریر اور ابن ہشام کا بیان ہے کہ ابھی مدینے کی طرف عام ہجرت کی نوبت نہ آئی تھی، اور صرف بیعت عقبہ ہی ذی الحجہ ۱۲ھ بعد بعثت میں ہوئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی اور آپ کی پھوپھی بَرّہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے حضرت ابوسلمہؓ نے مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا فیصلہ کر لیا، کیونکہ ہجرتِ حبشہ سے مکّے واپس آنے کے بعد وہ کفار مکّہ اور خود اپنے قبیلے بنی مخزوم کے مظالم سے تنگ آچکے تھے۔ مگر ظالموں نے ان کو بخیریت نکلنے بھی نہ دیا۔

حضرت اُمِّ سلمہ کی داستانِ مصیبت ابنِ ہشام نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے خود اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی اپنی روایت نقل کی ہے کہ: جب میرے شوہر ابوسلمہؓ مدینے جانے لگے تو میں بھی اُن کے ساتھ اپنے بچے سلمہ کو گود میں لیے ہوئے نکلی، اور وہ مجھے اور میرے بچے کو اُونٹ پر بٹھا کر اُس کی نکیل تھامے ہوئے چل پڑے۔ میرے مَیکے کے لوگوں (بنی مُغیرہ) نے اُن کو جاتے دیکھا تو راستہ روک کر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے "تم خود تو ہمارے قابو سے باہر ہو گئے ہو۔ جہاں تمہارا جی چاہے جاؤ۔ مگر اپنی اِس لڑکی کو تمہارے ساتھ جگہ جگہ ماری ماری پھرنے کے لیے ہم کیسے چھوڑ دیں؟" چنانچہ انھوں نے اونٹ کی نکیل ابوسلمہ کے ہاتھ سے چھین لی اور مجھے واپس لے چلے۔ اُدھر ابوسلمہ کے خاندان والے (بنی عبدالاسد) بگڑ کھڑے ہوئے اور انھوں نے آکر کہا کہ "تم نے جب ہمارے آدمی سے اپنی لڑکی کو چھین لیا، تو ہم اپنے لڑکے سلمہ کو اس کے پاس کیوں چھوڑ دیں؟" یہ کہہ کر انھوں نے میرے بچے کو زبردستی مجھ سے چھین لیا اور اِس چھینا جھپٹی میں بچے کا ہاتھ اُتر گیا (بلاذری کا بیان ہے کہ مرتے دم تک اس بچے کا ہاتھ اُترا رہا) - اب حال یہ تھا کہ بچہ وہ لے گئے، بنی مُغیرہ نے مجھے اپنے ہاں لے جا کر بند کر دیا، اور ابوسلمہ بے چارے تن تنہا

مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔ تقریباً ایک سال تک میرا معمول یہ رہا کہ روز نکل کر اَبطح میں جا بیٹھتی اور روتی رہتی۔ ایک روز بنی مغیرہ میں سے ایک شخص نے، جو میرے چچا زاد رشتہ داروں میں سے تھا، مجھے اس حالت زار میں دیکھ لیا اور اسے مجھ پر رحم آگیا۔ اس نے جا کر بنی مغیرہ سے کہا "اس مسکین کو کیوں نہیں جانے دیتے؟ تم نے اسے اس کے شوہر سے بھی جدا کر دیا اور بچے سے بھی" آخر کار انہوں نے مجھ سے کہا اگر تو اپنے شوہر کے پاس جانا چاہتی ہے تو چلی جا۔ بنی عبد الاسد نے میرا بچہ بھی مجھے واپس دے دیا۔ میں بچے کو لیے ہوئے اپنے اونٹ پر اکیلی مدینے کی طرف روانہ ہو گئی۔ تنعیم کے قریب پہنچی تو بنی عبدُالدار کے عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ راستے میں ملے[1]۔ انہوں نے کہا ابو امیہ کی بیٹی، کدھر جا رہی ہو؟ میں نے کہا اپنے شوہر کے پاس مدینے جا رہی ہوں۔ انہوں نے پوچھا تمہارے ساتھ کوئی نہیں؟ میں نے کہا خدا اور اس بچے کے سوا میرے ساتھ کوئی نہیں۔ وہ بولے خدا کی قسم میں تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گا۔ پھر وہ میرے اونٹ کی نکیل تھام کر چلنے لگے۔ واللہ کہ میں نے ان سے زیادہ شریف آدمی نہیں دیکھا۔ جب وہ کسی منزل پر پہنچتے تو میرے اونٹ کو بٹھا کر الگ ہٹ جاتے۔ میں بچے کو لے کر جب اتر جاتی تو وہ اونٹ کو کسی درخت سے باندھ دیتے اور مجھ سے دور کسی درخت کے نیچے جا لیٹتے۔ پھر جب چلنے کا وقت آتا تو وہ اونٹ کو لا کر بٹھاتے، الگ ہٹ کر کھڑے ہو جاتے، اور مجھ سے کہتے سوار ہو جاؤ۔ میرے سوار ہونے کے بعد وہ اونٹ کی نکیل تھام کر روانہ ہو جاتے۔ مدینے تک سارا راستہ انہوں نے اسی طرح طے کیا، اور جب قباء میں بنی عوف کی بستی نظر آئی تو مجھ سے کہا "تمہارے شوہر وہاں ہیں، ان کے پاس چلی جاؤ، اللہ تمہیں برکت دے۔" اس کے بعد جس طرح وہ پیدل آئے تھے اسی طرح پیدل مکہ واپس چلے گئے۔ اس واقعہ

---

[1] یہ کلید بردار کعبہ تھے، جنگ میں قریش کا جھنڈا بھی انہی کے ہاتھ میں ہوتا تھا، مکے کے بڑے سرداروں میں شمار کیے جاتے تھے اور اس وقت نہ صرف یہ کہ مشرک تھے، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ اپنے چچا زاد بھائی مُصعَبؓ بن عُمیر کو اسلام قبول کرنے پر انہوں نے سخت اذیتیں دی تھیں۔ حضرت اُمِّ سلمہؓ سے ان کا کوئی قریبی رشتہ بھی نہ تھا۔ اسلام انہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد قبول کیا اور حضرت خالدؓ بن ولید کے ساتھ ہجرت کی۔

کو بُلاذُری نے بھی اَنسابُ الاَشراف میں بیان کیا ہے)۔

اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کفارِ قریش مسلمانوں پر زیادتیاں کرنے میں جوں جوں حد سے گزرتے چلے جا رہے تھے، اِس کو دیکھ دیکھ کر خود اُن کے اپنے گروہ کے لوگوں میں اِس ظلم سے بیزاری اور مظلوم مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اُس معاشرے کے جن لوگوں میں بھی انسانیت اور شرافت کا جوہر موجود تھا وہ اسلام سے سخت عداوت رکھنے کے باوجود اپنی قوم کے اُن بلند سیرت افراد کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے جنہوں نے کسی دنیوی غرض کے بغیر محض اپنے ایمان کی خاطر ہر قسم کی مصیبتیں اور اذیتیں برداشت کر لیں، مگر کسی ظلم سے دب کر اُس چیز سے منہ نہ موڑا جس کو وہ حق مان چکے تھے۔

ہجرت کا اذنِ عام

آخری بیعتِ عَقَبَہ (یعنی ذی الحجہ ۱۳ بعدِ بعثت) کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّے کے مسلمانوں کو مدینے کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ اللہ عزّ و جلّ نے اب تمہارے لیے بھائی پیدا کر دیے ہیں اور ایک ایسا شہر فراہم کر دیا ہے جہاں تم امن سے رہ سکتے ہو (ابن ہشام، بحوالۂ ابن اسحاق)۔ یہ حکم ملتے ہی سب سے پہلے حضرت عامرؓ بن ربیعۃُ العَنزی اپنی بیوی لیلیٰ بنت ابی حَثمہ کے ساتھ نکلے۔ پھر حضرت عمّارؓ بن یاسر اور حضرت بلالؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ہجرت کی۔ پھر حضرت عثمانؓ بن عفان اپنی اہلیہ رُقیّہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ پھر مہاجرت کا ایک سلسلہ چل پڑا اور لوگ پے درپے اِس نئے دارالہجرت کی طرف جانے لگے، حتّٰی کہ پورے پورے کنبے اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ ابن اسحاق کے حوالے سے ابن ہشام نے خاص طور پر تین خاندانوں کا ذکر کیا ہے جن کے سب افراد ہجرت کر گئے اور ان کے گھر خالی کے خالی پڑے رہ گئے۔ ایک، بنی مَظعُون۔ دوسرے، بنی البُکَیر۔ تیسرے، بنی جَحش بن رِئاب۔ ابن عبدالبرّ نے لکھا ہے کہ بنی جَحش کے ساتھ بنی اسد بن خُزَیمہ کے بھی عورت مرد، بچے، سب چلے گئے۔ ان دونوں خاندانوں کے جملہ ۳۰ افراد نے ہجرت کی جن میں حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہؓ بن جَحش اور ابو احمدؓ بن جَحش (جن کا نام عَبد تھا)، اور ان کی بہنیں حضرت زینبؓ بن جَحش (جو بعد میں ام المومنین بنیں) اور حَمنہ بنتِ جَحش (حضرت مُصعَبؓ بن عُمیر کی بیوی) اور ام حبیبؓ بنت جَحش (حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف کی بیوی) شامل تھیں۔ ان کے جانے کے بعد عُتبہ بن ربیعہ اور عباس بن عبدالمطلب اور ابوجہل کا اُدھر سے گذر ہوا۔

عُتبہ بن ربیعہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر رنج کے ساتھ کہا "آج بنی جحش کا گھر بے آباد پڑا رہ گیا"۔ اس پر ابوجہل بولا "رو تے کیا ہو، یہ سب ہمارے اس بھائی، (یعنی عباس) کے بھتیجے کا کیا دھرا ہے۔ اس نے ہماری جماعت میں تفرقہ برپا کر دیا، ہمارے آپس کے روابط کاٹ دیے؛ اور ہم میں پھوٹ ڈال دی"۔ اس کے بعد ابوسفیان کی باری آئی اور اس نے بنی جحش کے گھر پر قبضہ کر کے اسے بیچ ڈالا۔ بہانہ یہ تھا کہ اس کی بیٹی فَرعَہ (یا فارِعَہ) ابواحمدؓ بن جحش کی بیوی تھی۔ گویا داماد کے سارے خاندان کی وراثت اس کے جیتے جی خسر کو پہنچ گئی! حضرت عبداللہ بن جحش نے ابوسفیان کی اس زیادتی کا شکوہ حضورؐ کے سامنے کیا تو آپ نے فرمایا "کیا تم اپنے اس گھر کے بدلے جنت میں ایک گھر ملنے پر راضی نہیں ہو؟" فتح مکہ کے بعد جب حضرت ابواحمدؓ نے حضورؐ سے درخواست کی کہ ہمارا گھر ہمیں واپس دلایا جائے تو آپؐ خاموش رہے۔ صحابہ نے اُن سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پسند نہیں فرماتے کہ مہاجرین کا جو مال خدا کی راہ میں جاچکا ہے اُسے واپس لینے کی کوشش کریں۔ خود حضورؐ کا اپنا مکان، جو مکے میں تھا، اس پر عقیل بن ابی طالب نے، جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، ہجرت کے بعد قبضہ کر لیا تھا، اور آپ نے فتح مکہ کے بعد وہ اُن سے واپس نہ لیا (ابوداؤد، کتاب الحج)۔

مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کیلیے قریش کی تدبیریں حضرت صُہَیبؓ جب ہجرت کے لیے نکلے تو قریش کے لوگوں نے اُن سے کہا "تم یہاں کنگال آئے تھے، اور ہمارے ہی شہر میں رہ کر مالدار ہوئے۔ اب تم چاہتے ہو کہ اپنی جان کے ساتھ اپنا مال بھی یہاں سے نکال لے جاؤ۔ واللہ یہ نہیں ہو سکتا"۔ حضرت صہیب نے جواب دیا "اگر میں اپنا سارا مال تمہیں دے دوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے؟" انہوں نے کہا ہاں۔ حضرت صہیبؓ نے سارا مال اُن کے حوالے کر دیا اور ہاتھ جھاڑ کر راہ خدا میں نکل کھڑے ہوئے۔ حضورؐ کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا صہیبؓ نے نفع کا سودا کیا، صہیبؓ نے نفع کا سودا کیا۔ یہ اسحاق بن راہَوَیہ، ابن مَردُوَیہ، ابن ہشام اور بَلاذُری کی روایت ہے جو انہوں نے ابوعثمان النَّہدی سے نقل کی ہے۔

ابن عبدالبَرّ نے الدُّرر فی اختصار المغازی والسِّیَر میں لکھا ہے کہ جب حضرت صُہَیبؓ مکے سے روانہ ہوئے تو قریش نے اُن کا پیچھا کیا تاکہ اُنہیں قتل کر کے اُن کا مال لے لیں۔ انہوں نے ان لوگوں کو آتے دیکھ کر کہا "تم لوگ جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ اچھا تیرانداز ہوں۔ خدا کی قسم تم میں سے کوئی

مجھ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ جس جس کی موت آئی ہے وہ مر نہ جائے ؟ تعاقب کرنے والوں نے کہا " اپنا مال چھوڑ دو اور چلے جاؤ " حضرت صہیبؓ نے کہا مال تو میں مکہ ہی میں چھوڑ آیا ہوں، فلاں جگہ جاؤ اور اسے نکال لو ۔ چنانچہ وہ پلٹ گئے اور ان کا مال لے لیا ۔ اسی سے ملتی جلتی روایت بلاذری نے بھی حضرت سعید بن المسیّب سے نقل کی ہے ۔

بیہقی اور طبرانی نے حضرت سعید بن المسیّب ہی کے واسطے سے حضرت صُہَیبؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں جب ہجرت کے ارادے سے نکلنے لگا تو قریش کے چند نوجوانوں نے مجھے روک لیا ۔ رات کو جب وہ لوگ سو گئے تو میں بھاگ نکلا ۔ مگر راستے میں ان کے بعض ساتھیوں نے مجھے آپکڑا ۔ میں نے کہا کہ اگر میں مکہ چل کر تم کو کئی اُوقیئے[1] سونا دے دوں تو تم مجھے چھوڑ دو گے ؟ انہوں نے اس کا وعدہ کر لیا اور میں نے واپس جا کر ان سے کہا کہ فلاں جگہ زمین کھود کر سونا نکال لو اور فلاں عورت کے پاس جا کر دو حُلّے (کپڑوں کے جوڑے) لے لو ۔ اس طرح میں ان سے رہائی پا کر حضورؐ کے پاس قُبا پہنچا تو آپ نے فرمایا اس سودے میں تو تم نے بڑا نفع کمایا ۔ میں نے عرض کیا اس معاملے کی کسی کو خبر نہ تھی ۔ آپ کو جبریل کے سوا اس کی اطلاع دینے والا اور کون ہو سکتا تھا ۔

عیّاشؓ بن ابی ربیعہ کی سرگذشت | دوسرے مہاجرین تو چھپ چھپ کر نکلے، مگر حضرت عمرؓ علانیہ ۲۰ سواروں کے ساتھ نکلے ۔ ان کی معیت میں اُن کے بھائی زیدؓ بن الخطاب، اُن کے بہنوئی سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نُفَیل، اُن کے داماد خُنَیسؓ بن حُذافہ (حضرت حفصہؓ کے سابق شوہر) اور دوسرے بہت سے اصحاب تھے ۔
بزّار اور ابن اسحاق نے صحیح سند کے ساتھ خود حضرت عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عیّاشؓ بن ابی ربیعہ اور ہشامؓ بن عاص بن وائل سے یہ طے کیا تھا کہ وہ دونوں تناضب کے مقام پر (مکے سے دس میل دور) ہم سے آملیں گے، اور جو بھی وقت مقرر پہ وہاں نہ پہنچے گا اس کے متعلق سمجھ لیا جائے گا کہ وہ پکڑا گیا اور باقی لوگ اس کا انتظار کیے بغیر آگے روانہ ہو جائیں گے ۔ ہشام مکہ ہی میں پکڑ لیے گئے اور عیّاش ہمارے ساتھ مدینے پہنچ گئے ۔ پیچھے پیچھے ابوجہل بن ہشام اور حارث بن ہشام (جو عیاش کے چچا زاد بھائی بھی تھے اور ماں جائے بھائی بھی[2]) مدینے جا پہنچے اور پوری

---

[1] ایک اُوقیہ مساوی ہے ۳½ تولہ کے ۔

[2] ابوجہل اور حارث دونوں سگے بھائی تھے ۔ اُن کے باپ ہشام بن مغیرہ کی وفات کے بعد اُن کی ماں نے (باقی بر صفحہ ۱۴)

مکاری کے ساتھ یہ کہہ کر عیاشؓ کو رام کر لیا کہ اماں جان نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمہیں دیکھ نہ لیں گی نہ سر میں کنگھی کریں گی اور نہ دھوپ سے سائے میں جائیں گی۔ میں نے بہتیرا سمجھایا کہ یہ تمہیں دھوکے سے پھانس لینا چاہتے ہیں، اِن کے فریب میں نہ آؤ، تمہاری ماں کو جب جوئیں ستائیں گی تو آپ ہی کنگھی کرے گی اور مکے کی گرمی جب برداشت نہ ہوگی تو خود ہی سائے میں چلی جائے گی۔ مگر عیاشؓ پر ماں کی محبت غالب آگئی اور مجھ سے کہنے لگے کہ بس میں اپنی ماں کی قسم پوری کروں گا اور اپنا مال لے کر واپس آجاؤں گا۔ میں نے کہا میں اپنا آدھا مال تمہیں دیتا ہوں، تم ان کے ساتھ نہ جاؤ۔ مگر وہ نہ مانے۔ آخر میں نے کہا، اچھا اگر تمہیں جانا ہی ہے تو میری اُونٹنی لے جاؤ۔ یہ بہترین اُونٹنی ہے۔ اسے ہرگز نہ چھوڑنا۔ جب اِن دونوں کی نیت خراب دیکھو تو فوراً اِس پر بھاگ نکلنا۔ یہ بات انہوں نے مان لی۔ راستے میں ایک جگہ ابوجہل نے اُن سے کہا "بھتیجا میرا اُونٹ ٹھیک نہیں چل رہا ہے، تم اپنی اُونٹنی پر مجھے ساتھ نہ بٹھا لو گے"؟ عیاشؓ نے کہا کیوں نہیں۔ پھر دونوں زمین پر اُترے تاکہ ابوجہل اپنے اُونٹ سے عیاشؓ کی اُونٹنی پر بیٹھ سکے۔ حارث بھی اپنا اُونٹ بٹھا کر نیچے اُتر آیا اور دونوں نے مل کر عیاشؓ کو باندھ لیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عیاش بن ابی ربیعہ کے خاندان والوں نے مجھے بتایا کہ ابوجہل اور حارث عیاشؓ کو لیے ہوئے اِس حالت میں دن دہاڑے مکے پہنچے کہ وہ رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور دونوں بھائی اعلان کرتے جاتے تھے کہ اے اہل مکہ اپنے اپنے نالائق لونڈوں کو اس طرح سیدھا کرو جس طرح ہم نے کیا ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ مجھے قابل اعتماد لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہشامؓ بن عاص اور عیاشؓ بن ابی ربیعہ کے لیے پریشان تھے۔ آپؐ نے فرمایا کون اِن دونوں کو میرے پاس لانے کے لیے تیار ہے؟ ولید بن ولید بن مغیرہ (خالد بن ولید کے بھائی) نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ میں یہ خدمت انجام دینے کے لیے حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ مکے گئے، چھپ کر اِس ٹوہ میں لگے رہے کہ دونوں قیدیوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) ابو ربیعہ بن مغیرہ سے نکاح کر لیا جو ابوجہل اور ہشام کا بھائی تھا۔ عیاشؓ بن ابی ربیعہ اُسی سے پیدا ہوئے۔ اِس طرح ابوجہل اور حارث اُن کے ماں جائے بھائی بھی تھے اور چچا زاد بھائی بھی۔

کا پتہ چلائیں، اور جب معلوم ہوا کہ وہ ایک بے چھت کے احاطے میں بند ہیں تو رات کے وقت دیوار پھاند کر وہاں پہنچے، دونوں کی بیڑیاں کاٹیں، اور اپنے اُونٹ پر بٹھا کر انہیں مدینے لے آئے۔

حضرت عبداللہؓ بن سُہیل کی بپتا جو لوگ ہجرت سے زبردستی روکے گئے تھے اُن میں سے ایک حضرت عبداللہؓ بن سُہیل بن عمرو بھی تھے۔ بلاذری کا بیان ہے کہ وہ ہجرت الی المدینہ کی خبر سُن کر حبش سے مکّے آئے تھے تاکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ نئے دارالہجرت چلے جائیں۔ مگر ان کے باپ سُہیل بن عمرو نے زبردستی انہیں روک کر قید کر دیا۔ انہوں نے حیلہ کر کے باپ کو اطمینان دلا دیا کہ وہ دینِ آبائی کی طرف پلٹ آئے ہیں۔ اسی اعتماد پر وہ جنگِ بدر میں انہیں ساتھ لے گیا۔ مگر جب فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو حضرت عبداللہؓ مسلمانوں سے جا ملے۔ اس کے کئی سال بعد جب فتح مکّہ کے موقع پر اُن کے باپ مسلمان ہوئے تو وہ کہا کرتے تھے کہ اللہ نے میرے بیٹے عبداللہؓ کے ایمان میں میرے لیے بہت بڑی خیر رکھ دی تھی۔

حضورؐ کا آخری وقت تک مکّہ میں ٹھیرے رہنا ابن اسحاق کی روایت کے مطابق مجموعی طور پر حبش سے جو مہاجرین مدینے کی طرف ہجرت کرنے کے لیے مکّے آئے تھے ان میں سے سات آدمیوں کو قید کر لیا گیا اور وہ ہجرت نہ کر سکے۔ اُن کے علاوہ مکّے میں ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جو ہجرت کرتے ہوئے پکڑ لیے گئے، یا جو ایسے مجبور تھے کہ ہجرت نہ کر سکتے تھے، یا جو دل میں ایمان تو رکھتے تھے، مگر اپنی کمزوریوں کے باعث ہجرت کی ہمت نہ کر سکے۔ ایسے سب لوگوں کے سوا باقی جتنے لوگ بھی ہجرت کر سکتے تھے وہ سب چلے گئے اور مکّے میں صرف نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ باقی رہ گئے۔

بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے مدینے کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو حضورؐ نے فرمایا "ذرا اپنی جگہ ٹھیرے رہو، کیونکہ میں توقع رکھتا ہوں کہ مجھے بھی جانے کی اجازت مل جائے گی"۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا آپ اس کی توقع رکھتے ہیں؟" فرمایا، ہاں۔ اس لیے حضرت ابو بکرؓ رُک گئے تاکہ حضورؐ کے ساتھ ہجرت کریں، اور دو اُونٹنیاں لے کر اُن کو پالنا شروع کر دیا۔ ابن اسحاق کی روایت جو ابن ہشام اور ابن جریر نے نقل کی ہے، اُس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ جب بھی حضورؐ سے اجازت طلب کرتے، جواب میں آپؐ

فرماتے "جلدی نہ کرو، شاید اللہ تمہیں ایک ساتھی عطا فرما دے"۔ اس سے جناب صدیقؓ کو یہ اُمید ہوگئی کہ وہ ساتھی آپؐ خود ہوں گے۔ حاکم کی روایت حضرت علیؓ سے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلؑ سے پوچھا ہجرت میں میرے ساتھ کون ہوگا؟ انھوں نے کہا ابوبکرؓ۔ ابن جریر عُروہ بن زبیرؓ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے دوسرے ہجرت کرنے والے صحابہ کے ساتھ جانے کے لیے دو اُونٹنیاں خرید رکھی تھیں۔ جب انہیں یہ اُمید ہوگئی کہ ان کو حضورؐ کی صحبت کا شرف حاصل ہوگا تو انہوں نے ان اُونٹنیوں کو خوب کھلا پلا کر تیار کر لیا۔

ابن اسحاق کے حوالہ سے ابن ہشام اور ابن جریر نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کو حضورؐ نے اس لیے روک لیا تھا کہ وہ آپ کے پیچھے مکہ میں ٹھیر کر اُن سب لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں جنہوں نے اپنے قیمتی مال حفاظت کے لیے آپ کے پاس رکھ چھوڑے تھے۔ اس سلسلے میں ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ مکّے میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کے پاس اگر کوئی چیز ایسی ہوتی جس کے چوری ہوجانے کا اُسے خطرہ ہوتا تو وہ اس کو حضورؐ کے پاس امانۃً نہ رکھوا دیتا ہو، کیونکہ آپ کی دیانت و امانت پر دوست و دشمن سب کو بھروسا تھا۔

اِس طرح آخری بیعتِ عَقَبہ (۱۲ ذی الحجہ ۱۳ بعدِ بعثت) سے صفر ۱۴ بعدِ بعثت کے اختتام تک تقریباً ڈھائی مہینے حضورؐ ایسی حالت میں اپنی جگہ ٹھیرے رہے جبکہ مدینے کی طرف ہجرت کرنے والوں کا ایک تانتا بندھا ہوا تھا اور آخری چند ایّام ایسے گذرے کہ آپ کے سب ساتھی جا چکے تھے، تنہا آپ اپنے دو رفیقوں کے ساتھ دشمنوں کے درمیان صرف اس لیے مقیم تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم آنے سے پہلے اپنے مقامِ ماموریّت کو چھوڑ دینا آپ کے لیے ممکن نہ تھا۔ غور کیا جائے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتنا عظیم احساسِ فرض تھا جس نے آپ کو اِس پُرخطر حالت میں اپنی جگہ پر ثابت قدم رکھا، اور کیسے دل گردے کے تھے وہ لوگ جو درندوں کی اُس کچھار میں بے خوف و خطر آپ کے ساتھ ٹھیرے رہے۔

قریش کی پریشانی کفارِ قریش کو اب یقین ہوگیا تھا کہ کسی روز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود مدینے کی طرف ہجرت فرما جائیں گے، اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ حضورؐ کی زبردست شخصیت، آپ کی غیر معمولی قابلیتوں، اور قرآن کی عظیم قوتِ تسخیر سے وہ ناواقف نہ تھے۔

اب وہ دیکھ رہے تھے کہ آپ کو ایک ٹھکانا میسر آگیا ہے۔ دو طاقت ور اور جنگ آزما قبیلے آپ کی حمایت کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ خود قریش کے ایسے جوانمرد اور جانباز لوگ ان سے جا ملے ہیں جنہوں نے ۱۳ سال تک ہر قسم کے مصائب و شدائد برداشت کر کے اپنی عزیمت و استقامت کا پورا پورا ثبوت دے دیا ہے اور بار بار ہجرت کر کے یہ بھی دکھا دیا ہے کہ وہ اپنے ایمان پر اپنا گھر بار، مال اسباب، رشتہ و برادری، قوم و وطن سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم قیادت کے تحت ایسے فداکار لوگوں کا ایک مضبوط جتھے کی شکل میں منظم ہو جانا، اور ایک شہر کی ریاست بھی ان کے ہاتھ میں آجانا، پرانے نظام کے لیے موت کا پیغام تھا۔ پھر خصوصیت کے ساتھ مدینے کا محلِ وقوع ایسا تھا کہ وہاں مسلمانوں کی اس طاقت کے مجتمع ہونے سے قریش کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ یمن سے شام کی طرف جو تجارتی شاہراہ ساحل بحر احمر کے کنارے سے جاتی تھی اور جس کے محفوظ رہنے پر قریش اور دوسرے بڑے بڑے مشرک قبائل کی معاشی زندگی کا انحصار تھا، وہ مسلمانوں کی زد میں آجائے گی اور اس شاہ رگ پر ہاتھ ڈال کر مسلمان نظامِ جاہلی کی زندگی دشوار کر دیں گے۔ صرف اہلِ مکہ کی وہ تجارت جو اس شاہ راہ کے بل پر مکے سے شام و روم اور مصر تک چل رہی تھی، ڈھائی لاکھ اشرفی سالانہ تک پہنچتی تھی۔ طائف اور دوسرے مقامات کی تجارت اس کے ماسوا تھی۔ اسی وجہ سے بیعتِ عقبہ کی خبر پاتے ہی قریش میں کھلبلی مچ گئی۔ پہلے تو انہوں نے اہلِ مدینہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے توڑنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، مگر اس میں وہ ناکام ہو گئے۔ پھر انہوں نے مکے سے مسلمانوں کی ہجرت کو روکنے کے لیے تمام ممکن تدبیریں اختیار کر لیں، مگر وہ چند ہی لوگوں کو روک سکے اور اہلِ ایمان کی بڑی تعداد مدینے پہنچ گئی۔ اس کے بعد وہ اس خطرے کو روکنے کے لیے آخری چارۂ کار اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

حضورؐ کے قتل کا فیصلہ

ابن ہشام، ابن سعد، ابن جریر اور بَلاذُری نے لکھا ہے کہ آخری فیصلہ کرنے کے لیے دارالنَّدوَہ میں تمام رؤسائے قوم کا ایک خفیہ اجتماع منعقد ہوا اور اس بات پر مشورہ کیا گیا کہ اس خطرے کا سدباب کس طرح کیا جائے۔ ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ اس شخص کو بیڑیاں پہنا کر ایک جگہ قید کر دیا جائے اور جیتے جی رہا نہ کیا جائے۔ لیکن اس رائے کو قبول نہ کیا گیا، کیونکہ کہنے والوں نے کہا کہ اگر ہم نے اسے قید کر دیا تو اس کے جو ساتھی قید خانے سے باہر ہوں گے وہ برابر اپنا کام کرتے

رہیں گے اور جب ذرا بھی قوت پکڑ لیں گے تو اُسے چھڑانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دینے میں ہرگز دریغ نہ کریں گے۔ دوسرے فریق کی رائے یہ تھی کہ اسے اپنے ہاں سے نکال دو، پھر جب یہ ہمارے درمیان نہ رہے گا تو ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں کہ کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ بہر حال اس کے وجود سے ہمارے نظامِ زندگی میں خلل پڑنا تو بند ہو جائے گا۔ لیکن اس تجویز کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ یہ جادو بیان آدمی ہے، دلوں کو موہنے میں اسے بلا کا کمال حاصل ہے، اگر یہ یہاں سے نکل گیا تو نہ معلوم عرب کے کن کن قبیلوں کو اپنا پیرو بنا لے گا اور پھر کتنی قوت حاصل کر کے قلبِ عرب کو اپنے اقتدار میں لانے کے لیے تم پر حملہ آور ہوگا۔ آخر کار ابوجہل نے یہ رائے پیش کی کہ ہم اپنے تمام قبیلوں میں سے ایک ایک عالی نسب تیز دست نوجوان منتخب کریں اور یہ سب مل کر یک بارگی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ٹوٹ پڑیں اور اسے قتل کر ڈالیں۔ اس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خون تمام قبیلوں پر تقسیم ہو جائے گا اور بنو عبدِ مناف کے لیے ناممکن ہو جائے گا کہ سب سے لڑ سکیں، اس لیے مجبوراً خوں بہا قبول کرنے پر راضی ہو جائیں گے۔ اس رائے کو سب نے پسند کیا، قتل کے لیے آدمی بھی نامزد کر دیے گئے، قتل کا وقت بھی مقرر کر دیا گیا، اور اس ساری کارروائی کو اس قدر مخفی رکھا گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی۔ اسی معاملہ کی طرف سورۂ انفال میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۔ (آیت ۳۰)

اور (اے نبیؐ) وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جبکہ کفار تمہارے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تمہیں قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔

حضورؐ کے لیے ہجرت کا اذن اور آپ کی تیاریاں

ترمذی اور حاکم نے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جب یہاں تک معاملہ پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو مکے سے ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی اور فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ

اور (اے نبیؐ) دعا کرو کہ اے میرے رب، مجھے داخل کر سچائی کے ساتھ داخل ہونے کی جگہ، اور

صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ مجھے نکال سچائی کے ساتھ نکلنے کی جگہ سے، اور کسی طاقت
سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا (بنی اسرائیل - ۸۰) کو میرا مددگار بنا دے[1]

یہ اجازت اُس دن ملی جس کے بعد آنے والی رات قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے مقرر کی تھی[2]۔ ابن سعد نے واقدی کے حوالہ سے اور ابن جریر و ابن ہشام نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ اُسی روز جبریل علیہ السلام نے آکر حضورؐ کو قریش کے ارادے سے باخبر کیا اور آپؐ کو ہدایت کی کہ آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ اس کے بعد آپؐ دوپہر کو منہ پر کپڑا لپیٹے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ بخاری میں امام زُہری کے حوالہ سے حضرت عُروَہ بن زبیر کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا، ہم دوپہر کے وقت اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہ ڈھانکے ہوئے ایسے وقت تشریف لائے ہیں جب آپ کبھی ہمارے ہاں نہ آتے تھے۔ (طبَرانی میں حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر کی روایت ہے کہ حضورؐ روزانہ صبح و شام ہمارے ہاں آیا کرتے تھے۔ یہی روایت بخاری باب الہجرت میں حضرت عائشہؓ سے بھی منقول ہے۔ اور ابن ہشام میں ابن اسحاق کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی روایت یہ ہے کہ حضور روزانہ صبح یا شام کے وقت ہمارے ہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ مگر اس روز آپؐ ظہر کے وقت تشریف لائے جو معمولاً آپؐ کے آنے کا وقت نہ تھا)۔ حضرت ابوبکرؓ نے معاً فرمایا "میرے ماں باپ اُن پر قربان ہوں، ضرور کوئی بات ہے جس کی وجہ سے وہ اِس وقت تشریف لائے ہیں"۔

---

[1] یہاں کسی شخص کو یہ اعتراض نہ ہو کہ مذکورہ آیت تو سورۂ بنی اسرائیل میں ہجرت سے کافی مدت پہلے نازل ہوچکی تھی، پھر اس موقع پر اسی کو اجازتِ ہجرت کی حیثیت سے پیش کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ دراصل اس امر کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ ایک آیت پہلے نازل ہوچکی ہوتی تھی، اور بعد میں کسی خاص موقع پر اس کا اعادہ اس لیے کیا جاتا تھا کہ حضورؐ کو یہ معلوم ہوجائے کہ آیت کا حکم اسی موقع کے لیے ہے۔

[2] یہی مصلحت تھی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اِس وقت تک آپ کو مکے میں روک رکھا تھا۔ پیشِ نظر یہ تھا کہ کفارِ قریش اپنی حق دشمنی کی آخری حد کو پہنچ جائیں، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے درمیان سے نکل جانے کا حکم دیا جائے۔

پھر حضورؐ نے اندر آنے کی اجازت مانگی، اور جب اجازت پاکر اندر تشریف لائے تو فرمایا اپنے پاس سے سب کو ہٹا دو۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یہ تو آپ ہی کے گھر کے لوگ ہیں۔ (موسیٰ بن عُقبہ کی روایت حضرت عائشہ سے یہ ہے کہ اُس وقت میرے اور میری بہن اسماءؓ کے سوا حضرت ابوبکرؓ کے پاس اور کوئی نہ تھا۔ یہی ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت بھی ہے۔ البتہ ابن عُقبہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یہاں صرف میری بیٹیاں ہیں۔ کوئی جاسوس آپ پر نگاہ رکھنے والا نہیں ہے)۔ تب حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے نکلنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے تو معیت کا شرف نصیب ہوگا؟" فرمایا ہاں۔ عرض کیا "میری اِن دو اُونٹنیوں میں سے ایک آپ لے لیں۔" فرمایا "مگر قیمت دے کر لوں گا۔" ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں اُسی قیمت پر لوں گا جس پر تم نے اسے خریدا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے قیمت بتائی، اور آپ نے فرمایا یہ میں تمہیں دوں گا۔ اِس کے بعد حضور اور حضرت ابوبکرؓ نے بنی الدِّیل کے ایک شخص عبداللہ بن اُرَیقِط[1] کو، جو راستوں کا ماہر تھا، ہجرت پر راہ نمائی کے لیے مقرر کیا اور دونوں اُونٹنیاں اِس ہدایت کے ساتھ اُس کے حوالہ کیں کہ جس وقت اور جس جگہ ہم بلائیں اُسی وقت اُنہیں لے کر اُس جگہ پہنچ جانا۔

قتل کی رات کا ماجرا اِس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان پر تشریف لے گئے اور رات ہوتے وقت تک وہیں رہے تاکہ دشمنوں کو اِس امر کا ذرّہ برابر بھی شبہ نہ ہونے پائے کہ آپ اُن کے اِرادوں سے باخبر ہو چکے ہیں۔ رات کو ٹھیک اپنے طے شدہ وقت پر وہ سب لوگ آ پہنچے جو آپ کے قتل پر مامور کیے گئے تھے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق یہ جملہ ۱۲ آدمی تھے۔ ابوجہل،

---

[1] اِس شخص کا نام کسی نے اُرَیقِد اور کسی نے اُرَیقِط لکھا ہے لیکن صحیح اُرَیقِط ہے جیسا کہ موسیٰ بن عقبہ اور بَلاذُری اور ابن سعد نے لکھا ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس کو طائف سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بر بنا کر مکہ کے سرداروں کے پاس بھیجا تھا۔ اگرچہ یہ مشرک تھا، مگر اتنا وفادار تھا کہ ہجرت کے اِس نازک سفر کے موقع پر بھی یہ پورا قابلِ اعتماد ثابت ہوا، حالانکہ قریش نے حضورؐ کی مخبری کرنے والے کے لیے ایک بہت بڑے انعام کا اعلان کر رکھا تھا۔

حَکَم بن ابی العاص، عُقبہ بن ابی مُعَیط، نَضر بن الحارث، اُمَیّہ بن خَلَف، حارث بن قیس ابنُ الغَیطَلہ، زمعہ بن الاَسوَد، طُعَیمہ بن عَدِی، ابولہب، اُبَیّ بن خَلَف، نُبَیہ بن حَجّاج اور مُنَبّہ بن حَجّاج۔ لیکن ان لوگوں کے آنے سے پہلے ہی آپ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر اپنی سبز حضرموتی چادر اُڑھا کر لٹا دیا تھا، اس لیے دشمن باہر سے تاک جھانک کر کے جب بھی دیکھتے یہی سمجھتے رہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جو اپنے بستر پر سو رہے ہیں۔ سُہَیلی نے بعض علمائے سیَر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان لوگوں نے دیوار پھاند کر اندر جانے کی کوشش کی تھی، مگر اندر سے کسی عورت کے چیخنے کی آواز آئی جسے سن کر وہ دبک گئے اور انہوں نے آپس میں کہا کہ "واللہ، یہ سارے عرب میں ہمارے لیے سخت بدنامی کی بات ہو گی کہ ہم دیواریں پھاند کر رات کو اپنے ہی ایک رشتہ دار کے گھر میں گھسے اور ہم نے اپنے قبیلے کی بیٹیوں کی عزت و آبرو کا لحاظ بھی نہ کیا"۔ یہی بات تھی جس کی وجہ سے یہ لوگ رات بھر باہر بیٹھے رہے اور اس انتظار میں رہے کہ صبح سویرے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھیں تو یکبارگی آپ پر ٹوٹ پڑیں۔

حضرت علیؓ کی گرفتاری اور رہائی اس دوران میں کہ دشمن گھیرا ڈالے ہوئے تھے، رات کو کسی وقت حضورؐ اطمینان سے باہر تشریف لائے اور ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل گئے۔ اُس وقت آپ سورۂ یٰسٓ کی ابتدائی آیات پڑھ رہے تھے۔ صبح ہوئی تو ان لوگوں نے حضرت علیؓ کو حضورؐ کے بستر پر سے اُٹھتے ہوئے دیکھا، اور اُس وقت انہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کبھی کے جا چکے ہیں (ابن سعد، ابن ہشام، بلاذری، ابن جریر، زادُ المَعاد)۔ ابن جریر اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا "تمہارے صاحب کہاں ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "مجھے کچھ نہیں معلوم کہ وہ کہاں تشریف لے گئے ہیں، میں اُن پر کوئی نگران نہیں ہوں، تم لوگوں نے انہیں نکالا اور وہ نکل گئے"۔ اس پر یہ سفّاک دشمن جھلّا گئے، اُنہیں بہت ڈانٹ ڈپٹ کی، مارا پیٹا اور مسجد حرام میں لے جا کر کچھ دیر بند رکھا۔ مگر جب کسی تشدّد سے بھی حضورؐ کا پتہ معلوم نہ کیا جا سکا تو مجبور ہو کر انہیں چھوڑ دیا۔ بعید نہیں کہ اُن کے حضرت علیؓ کو چھوڑ دینے کا اصل سبب یہ ہو کہ حضورؐ نے اُنہی کو اہلِ مکہ کی امانتیں واپس کر دینے کے لیے پیچھے چھوڑا تھا۔ کفار کو جب یہ معلوم ہوا ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو اس کام کے لیے

مامور کر گئے ہیں تو کچھ انہیں اپنے مال واپس ملنے کے لالچ نے اُن کی رہائی پر آمادہ کیا ہوگا، اور کچھ انہیں شرم بھی آئی ہوگی کہ جس شخص کو وہ قتل کرنے کے لیے آئے تھے وہ اتنا بلند اخلاق انسان ہے کہ قتل گاہ سے نکلتے وقت بھی اُسے اپنے دشمنوں کی امانتیں ادا کرنے کی فکر رہی۔

حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر چھاپہ حضرت علیؓ سے فارغ ہو کر ان ظالموں نے حضرت ابوبکرؓ کے مکان کا رُخ کیا۔ ابن اسحاق نے حضرت اسمآءؓ بنت ابی بکرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ دوسرے روز قریش میں سے چند آدمی، جن میں ابوجہل بھی تھا، ہمارے ہاں آئے اور انہوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر مجھ سے پوچھا تمہارا باپ کہاں ہے؟ میں نے کہا مجھے خبر نہیں۔ اس پر ابوجہل نے اس زور کا تھپڑ مجھے مارا کہ میرے کان کی بالی ٹوٹ کر دُور جا پڑی، پھر وہ لوگ چلے گئے (ابن ہشام و ابن جریر)۔

مکہ سے نکل کر غارِ ثور میں پناہ لینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان سے نکل کر سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور دونوں صاحبوں نے راتوں رات جا کر مکہ سے دو تین میل دُور ثور نامی ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لے لی۔ مسند احمد اور ترمذی کی روایت ہے کہ مکے سے نکلتے وقت حضورؐ حَزْوَرَہ کے مقام پر کھڑے ہوئے، بیت اللہ کی طرف رُخ کیا اور بڑے درد کے ساتھ فرمایا "اے مکہ، خدا کی قسم تو مجھے خدا کی زمین میں سب سے زیادہ محبوب ہے، اور خدا کو بھی اپنی زمین میں تو ہی سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔ اگر تیرے باشندوں نے مجھے نہ نکالا ہوتا تو میں کبھی تجھے چھوڑ کر نہ نکلتا۔" اس کے بعد آپ ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔

ثور میں پناہ لینے کی حکمت اس جگہ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس کام کے لیے جَبَلِ ثور کا انتخاب کس حکمت کی بنا پر کیا گیا تھا۔ یہ پہاڑ مکہ کے جنوب میں یمن کے راستے پر ہے، حالانکہ مدینہ طیبہ مکہ کے شمال میں شام کے راستے پر واقع ہے۔ کفارِ مکہ کو معلوم تھا کہ حضورؐ ہجرت کر کے مدینے جانا چاہتے ہیں۔ اس لیے لامحالہ آپ کا تعاقب کرنے کے لیے اُن کا ذہن سب سے پہلے شمالی پہاڑوں اور پہاڑی راستوں ہی کی طرف جا سکتا تھا۔ جنوب اور مشرق اور مغرب کی طرف اُن کی جستجو کا رُخ صرف اُسی صورت میں پھرتا جب کہ وہ شمالی راستوں میں آپ کو تلاش کرنے سے عاجز ہو چکے ہوتے۔ اس طرح یہ اُمید تھی کہ غارِ ثور تک اُن کے پہنچتے پہنچتے کافی وقت لگ جائے گا۔

زمانۂ قیامِ ثور کے لیے حضرت ابوبکرؓ کے انتظامات غارِ ثور کے لیے روانہ ہونے سے پہلے ہی حضرت ابوبکرؓ

نے تمام ضروری تیاریاں کر لی تھیں[۱] - بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ہم لوگوں نے جلدی جلدی دونوں مسافروں کے لیے سامانِ سفر تیار کیا اور ایک تھیلے میں زادِ راہ کے طور پر ضروری چیزیں رکھ دیں - حضرت ابو بکرؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو، جو نہایت ہوشیار نوجوان تھے، ہدایت فرمائی کہ دن اہلِ مکہ میں گزارو اور خبریں لیتے رہو، پھر رات کو ہمارے پاس آ کر دن بھر کی جمع شدہ اطلاعات سنا دیا کرو - اپنے آزاد کردہ غلام حضرت عامرؓ بن فہیرہ کو حکم دیا کہ وہ دن بھر حسبِ معمول ہماری بکریاں چراتے رہیں اور اہلِ مکہ کی خبریں لیتے رہیں، پھر رات گئے ہمارے پاس آ کر بکریوں کا دودھ بھی دے دیا کریں اور جو خبریں سنیں وہ بھی ہمیں بتا دیا کریں - ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت اسماءؓ روز رات کو تازہ کھانا بھی پہنچاتی رہیں[۲] (ابن ہشام) - (باقی)

---

۱ مسندِ احمد، طبرانی اور سیرۃ ابن ہشام میں ابن اسحاق کے حوالہ سے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی روایت ہے کہ ہمارے والد صاحب چلتے وقت اپنا سارا مال جو ۵ سے ۶ ہزار درہم تھا اپنے ساتھ لے گئے - بلاذری کی روایت کے مطابق اسلام قبول کرنے کے وقت ان کے پاس ۴۰ ہزار درہم تھے۔ بعد میں ہمارے دادا ابو قحافہ نے، جو نابینا تھے اور اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، ہم سے کہا، میرا خیال ہے کہ وہ اپنی جان کے ساتھ اپنا مال بھی لے گیا ہے۔ میں نے کہا، نہیں ابا جان انہوں نے خیرِ کثیر ہمارے لیے چھوڑی ہے - پھر جس طاق میں والد صاحب اپنا مال رکھتے تھے اس کے اندر میں نے کچھ پتھر رکھ کر اوپر سے کپڑا ڈال دیا اور دادا جان کو لے جا کر ان سے کہا آپ ہاتھ لگا کر دیکھ لیں - انہوں نے ہاتھ اس پر رکھ کر کہا، اگر یہ اس نے تمہارے لیے چھوڑا ہے تو کافی ہے - حالانکہ فی الواقع ہمارے والد نے کوئی مال نہیں چھوڑا تھا اور میں صرف دادا جان کو تسکین دینا چاہتی تھی -

۲ یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے جسے رفع کر دینا ضروری ہے - اوپر ذکر آیا ہے کہ حضرت علیؓ سے جب کفار نے پوچھا کہ تمہارے صاحب کہاں ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے خبر نہیں - پھر ذکر آیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے مکان پر جا کر حضرت ابو بکرؓ کا پتہ پوچھا تو حضرت اسماءؓ نے بھی یہی جواب دیا کہ مجھے خبر نہیں، حالانکہ بعد کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ غارِ ثور جانے سے پہلے حضرت ابو بکرؓ نے جو انتظامات کیے تھے ان میں سے ایک خدمت حضرت اسماءؓ کے بھی سپرد تھی - پھر یہ ذکر بھی آیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سارا مال گھر سے لے گئے تھے، مگر حضرت اسماءؓ نے اپنے دادا صاحب کو یقین دلایا کہ وہ بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں - ان باتوں پر ذہن میں سوال پیدا (باقی حاشیہ بر صفحہ ۲۴)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳)

ہوتا ہے کہ کیا یہ جھوٹ نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک پہلی دو باتوں کا معاملہ ہے اُن میں تو دو یکساں احتمالات ہیں۔ ایک احتمال یہ کہ حضرت علیؓ اور حضرت اسماءؓ کو فی الواقع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی جائے پناہ کا اُس وقت علم نہ ہو جب اُن سے یہ سوال کیا گیا تھا۔ اور دوسرا احتمال یہ کہ ان کو علم تو تھا، مگر انہوں نے دشمنوں کو بتانے سے اس لیے انکار کیا کہ سچ بول کر ظالم کو ظلم میں مدد دینا خلافِ واقعہ بات کہنے سے بدرجہا بڑی بُرائی ہے، اور خلاف واقعہ بات کہہ کر مظلوم کو ظلم سے بچانا درحقیقت سرے سے کوئی بُرائی ہی نہیں ہے بلکہ شرعاً، اخلاقاً اور عقلاً سراسر جائز فعل ہے۔ صرف ایک بیوقوف ہی اسے ناجائز قرار دے سکتا ہے اور یہ اصرار کر سکتا ہے کہ انہیں قاتلوں کو غارِ ثور کا پتہ دے دینا چاہیے تھا، یا یہ کہنا چاہیے تھا کہ ہمیں ان کا پتہ معلوم ہے مگر ہم تمہیں بتائیں گے نہیں، تاکہ قاتل انہیں شدید اذیتیں دے کر راز اُگلوالیں۔ رہی وہ بات جو حضرت اسماءؓ نے اپنے دادا صاحب سے کہی، تو وہ توریہ کی بہترین مثال ہے۔ توریہ اس کو کہتے ہیں کہ صریح جھوٹ بولے بغیر کسی مصلحت سے حقیقت پر پردہ ڈال دیا جائے، اور یہ شرعاً جائز ہے۔ حضرت اسماءؓ نے یہ نہیں کہا کہ ابا جان بہت سا مال چھوڑ گئے ہیں بلکہ یہ کہا کہ وہ خیر کثیر چھوڑ گئے ہیں۔ پھر لے جا کر طاق میں رکھے ہوئے ڈھیر پر اُن کا ہاتھ رکھوا دیا۔ دادا صاحب نے سمجھا کہ یہ مال کا ڈھیر ہے، مگر حضرت اسماءؓ نے یہ نہیں کہا کہ اس ڈھیر میں مال ہے۔ اس طرح انہوں نے جھوٹ بولے بغیر اپنے بوڑھے اور نابینا دادا کو اُس پریشانی سے بچا لیا جس میں وہ مفلسی کے اندیشے سے مبتلا تھے۔

مُردار کی کھال کے بارے میں شرعی حکم

از جناب ملک غلام علی صاحب

اس سے پہلے ایک صاحب نے مردار کی کھال کے استعمال اور اس کی فروخت کے متعلق سوال کیا تھا اور اس کا مختصر جواب دے دیا گیا تھا۔ مگر اس سے ان کی تشفی نہ ہوئی اور انہوں نے زیادہ تفصیل کے ساتھ اپنا سوال دہرایا جو حسبِ ذیل ہے:۔

"میں نے مُردار کے چمڑے سے متعلق دریافت کیا تھا کہ اسے دباغت سے پہلے فروخت یا استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے مختصر جواب دیا کہ یہ فعل جائز ہے، کیونکہ ہر شخص کے لیے دباغت ممکن نہیں اور دباغت سے پہلے اس کی خرید و فروخت ممنوع ہو تو دباغت سے اسے پاک کر کے استعمال کرنا ہر انسان کے بس میں نہ رہے گا۔ حالانکہ شریعت نے مدبوغ چمڑے کو پاک قرار دیا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ جلدِ میتہ کی فروخت کے بارے میں میری کچھ تشفی نہیں ہوسکی۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ نے نہایت ہی مختصر جواب دیا ہے اور اس کے ساتھ کوئی بھی دلیل اور سند بیان نہیں فرمائی۔ اور دوسری یہ کہ تحقیق کے دوران میں نے شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا اس کے متعلق جو تبصرہ پڑھا ہے اس نے آپ کے جواب سے مجھے اور بھی غیر مطمئن بنا دیا ہے۔ انہوں نے درج ذیل حدیث لکھی ہے:۔

عن جابر انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ حرّم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام۔ فقیل یا رسول اللہ ارایت شحوم المیتۃ فانہ یطلی بہا السفن ویدھن بہا الجلود ویستصبح

بها الناس - فقال لا، هو حرام - ثم قال رسول الله عند ذلك قاتل الله اليهود ان الله لما حرم شحومها جملوه ثم باعوه فاكلوا ثمنه -

(رواه الجماعة)

(حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام کر دیا ہے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ، مردار کی چربی کے متعلق آپ کا ارشاد کیا ہے؟ اس سے کشتیاں اور چمڑے روغن کیے جاتے ہیں اور لوگ اس سے چراغ بھی جلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں یہ حرام ہے۔ پھر آنحضورؐ نے فرمایا: اللہ یہود کو غارت کرے۔ اللہ نے جب ان کی چربیاں حرام کیں تو انہوں نے اسے پگھلایا، پھر اسے بیچا اور اس کی قیمت کو خود صرف کیا)۔

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

..... نقل ابن المنذر ايضا الاجماع على تحريم بيع الميتة والظاهر بانه تحريم بيعها بجميع اجزائها - ويستثنٰى من ذالك السمك و الجراد وما لا تحله الحياة ...... وتحريم الانتفاع يوخذ من دليل آخر كحديث لا تنتفعوا من الميتة بشئ والمعنى لا تظنوا ان هٰذه مقتضية لجواز بيع الميتة فان بيعها حرام - فيه دليل على ابطال الحيل والوسائل الى المحرم وان كل ما حرمه الله على العباد فبيعه حرام لتحريم ثمنه (ملخصاً - نيل الاوطار - ج۵ - كتاب البيوع)

(ابن منذر نے مردار کی بیع کے حرام ہونے پر بھی اجماع نقل کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس تحریم سے مراد مردار کے تمام اجزاء کی تحریم ہے، البتہ مچھلی، ٹڈی اور وہ جزء جس میں زندگی کے آثار نہ ہوں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں اور مردار کے اجزاء سے فائدہ اٹھانے کی حرمت دوسری دلیل سے ثابت ہے، مثلاً اس حدیث سے کہ مردار کی کسی چیز سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔ یعنی یہ گمان نہ کرو کہ مردار کی بیع کا جواز اس سے نکلتا ہے، اس کی بیع حرام ہے۔ اس سے حرام اشیاء کے استعمال کے طریقوں اور حیلوں کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے اور ہر چیز جو اللہ نے اپنے بندوں پر حرام کی ہے، اس کی بیع

بھی حرام ہے کیونکہ اس کی قیمت حرام ہے (نیل الاوطار ج ۵ - البیوع)
مجھے اُمید ہے کہ اس موضوع پر تفصیل سے لکھیں گے اور میری نیز عوام کی اُلجھن کو دُور کریں گے۔
جزاکم اللہ خیر الجزاء"

اس طویل اور مفصل سوال کا جواب درج ذیل ہے۔

آپ کے دوسرے خط سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک مُردار کے جملہ اجزائے جسد کا حکم ایک ہی ہے، خواہ وہ گوشت ہو یا کھال ہو یا بال، یا ہڈی، سینگ، کھُر وغیرہ ہوں۔ پھر آپ نے ایک ہی حدیث کی روشنی میں مُردار کے سارے اجزاء کو حرام سمجھ لیا ہے۔ میرے نزدیک یہ موقف صحیح نہیں ہے۔ محدثین اور ائمہ مجتہدین کی اکثریت نے مختلف اجزاء پر ایک ہی حکم کا اطلاق نہیں فرمایا ہے۔ مثلاً آپ صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب جُلود المیتۃ قبل اَن تُدبَغ ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں حضرت عبد اللہؓ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا گذر ایک مُردہ بکری پر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا: تم لوگوں نے اس کی کھال سے کیوں فائدہ نہیں اُٹھایا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یہ تو مردار ہے۔ آپ نے فرمایا، اس کا صرف کھانا حرام ہے۔ اس کے بعد چند ابواب چھوڑ کر امام بخاریؒ نے ایک دوسرا باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے باب بیع المیتۃ والاصنام۔ اس باب کے تحت وہی حدیث مروی ہے جو آپ نے نقل کی ہے اور جس میں مردار اور اس کی چربی کی حرمت وارد ہے۔ دونوں حدیثوں کے صحیح الاسناد ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہو سکتا، نہ کسی ایک کے ناسخ اور دوسری کے منسوخ ہونے پر کوئی دلیل موجود ہے۔ اس لیے یہ ماننا ناگزیر ہے کہ مردار کے پورے جسم کی گوشت سمیت قیمت لگا کر اُسے فروخت کرنا تو ممنوع ہے، لیکن چربی اور گوشت کے ماسوا دوسرے اجزاء، یا کم از کم اس کی کھال سے چونکہ استفادہ جائز ہے، اس لیے اس کی خرید و فروخت بھی جائز ہو گی۔

فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے کہ اس حدیث اور اس کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نے جوازِ استمتاع سے جوازِ بیع پر استدلال کیا ہے، کیونکہ جس شئے سے انتفاع جائز ہے، اس کی بیع بھی جائز ہے اور جس سے فائدہ اُٹھانا ممنوع ہے اس کی بیع بھی ممنوع ہے۔ حضرت ابن عبّاس والی احادیث کو امام بخاریؒ دوبارہ کتاب الذبائح میں

بھی لائے ہیں۔ ایک کا متن تو وہی ہے جس کا ترجمہ اُوپر آچکا ہے، دوسری میں آنحضورؐ کا قول یوں مروی ہے: "اِس بکری والوں کے لیے کیا مضائقہ تھا کہ وہ اس کی کھال سے فائدہ اٹھاتے (ما علی اھلھا لو انتفعوا بِاِھابھا؟)۔ اِس مقام کی شرح میں ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام زُہری نے مطلقاً مردار کی کھال سے انتفاع کا جواز اخذ کیا ہے، خواہ اسے دباغت دی گئی ہو یا نہیں۔ یہی مسلک امام داؤد ظاہری کا بھی بیان کیا ہے۔ پھر بخاری کتاب الأیمان والنذور میں حضرت ابن عباسؓ نے حضرت سَودہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ہماری ایک بکری مرگئی تھی تو ہم نے اس کی کھال کو دباغت دی اور اسے استعمال کرتے رہے حتٰی کہ وہ ایک پرانے مشکیزے کی طرح ہوگئی۔

بخاری، کتاب الذبائح میں حضرت ابن عباسؓ سے جو حدیث مروی ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے عمدۃ القاری میں حافظ بدر الدینؒ عینی فرماتے ہیں کہ جمہور فقہاء اور ائمہ فتویٰ نے اس حدیث کی رُو سے جِلدِ مدبوغ سے انتفاع کو جائز قرار دیا ہے اور یہی امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا قولِ آخر ہے۔ امام احمدؒ کے متعلق امام ترمذیؒ کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں کہ وہ پہلے لا تنتفعوا من المیتۃ بشیءٍ والی روایت کے قائل تھے، لیکن بعد میں اس کی سند میں اِضطراب کے باعث اسے ترک کر دیا۔ اِس حدیث کے تحت یہی بات حافظ ابن حجر نے بھی لکھی ہے اور عینی اور ابن حجر دونوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جن روایات میں مطلق ممانعت مذکور ہے اس کی سند میں کلام ہے اور احادیثِ صحیحہ سے متعارض ہونے کے باعث وہ ناقابلِ قبول ہے۔ ان میں سے ایک روایت ابن علیم کی ہے جن کی صحابیت مختلف فیہ ہے اور ان کی روایت کا مدار ایک مکتوب پر ہے جس کا درجہ بہر حال سماع کے برابر نہیں ہے۔

صحیح بخاری کے بعد آپ صحیح مسلم کی احادیث کو لیں۔ اس کی کتاب الحیض، باب طہارۃ جلود المیتۃ بالدباغ میں پہلے حضرت ابن عباسؓ سے وہی بکری کی کھال والی چار احادیث مروی ہیں اور یہ بھی تصریح ہے کہ وہ بکری حضرت میمونہؓ کی ایک خادمہ کی تھی۔ الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ باقی مضمون وہی ہے جو بخاری شریف کی احادیث میں مروی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ کی متعدد دیگر احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں جو جلد مدبوغ کی طہارت پر دلالت کرتی

ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔ اذا دُبِغَ الاھاب فقد طھر۔ دباغہ طھورہٗ۔ ان ساری روایات پر امام نَوَوِیؒ نے مفصل شرح لکھتے ہوئے سات مذاہب بیان کیے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کتے اور خنزیر کے ماسوا ہر جانور کی جلد دباغت سے پاک ہوجاتی ہے خواہ وہ گیلی ہوجائے یا خشک ہو۔

۲۔ دباغت سے کوئی جلد پاک نہیں ہوتی۔ امام احمدؒ کا زیادہ مشہور مسلک یہی ہے۔

۳۔ صرف حلال جانوروں کی کھال دباغت سے پاک ہوتی ہے۔ یہ امام اَوزاعیؒ اور ابو ثَور اور ابن مبارکؒ کا مسلک ہے۔

۴۔ خنزیر کے ماسوا ہر جانور کی کھال دباغت سے پاک ہوجاتی ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔

۵۔ ہر جانور کا ظاہری، یعنی اوپر کا حصہ دباغت سے خشک حالت میں پاک ہوسکتا ہے۔ یہ امام مالکؒ کا مشہور مسلک ہے۔

۶۔ ہر جانور کی کھال دباغت سے پاک ہوسکتی ہے۔ یہ امام داؤد ظاہریؒ کا مسلک ہے۔

۷۔ دباغت کے بغیر بھی مردار کی کھال پاک ہے۔ یہ امام زُہریؒ کا مسلک ہے۔

صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم الخمر والمیتہ...... کی شرح میں امام نَووی نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک نجس اشیاء کا صرف کھانا اور بدن پر ملنا جائز نہیں، ان سے دوسری طرح کا انتفاع جائز ہے۔

ہر کیف ان احادیث اور ان کی مندرجہ بالا تشریحات سے میرے نزدیک یہ امر بلاشک وشبہ ثابت ہوجاتا ہے کہ امت کی اکثریت کے نزدیک کم از کم حلال جانوروں کی جلد کی خرید و فروخت اور اُس سے استفادہ جائز ہے اور دباغت کے بعد یہ پاک ہوجاتی ہے خواہ جانور ذبح ہونے کے بجائے طبعی موت مرا ہو۔ عجیب بات ہے کہ امام داؤد ظاہریؒ جنھیں نیل الاوطار کی اسی جلد کے صفحہ ۶۴ پر لائق اقتدا سلف صالح میں شمار کیا گیا ہے، جِلدِ مَیتَہ کے معاملے میں امام شوکانی نے ان کے عین برعکس موقف اختیار کیا ہے۔ امام داؤد ہر جانور کی کھال کو ہر حالت میں پاک سمجھتے ہیں اور امام شوکانی کسی کھال کو کسی حالت میں طاہر قرار نہیں دیتے۔

قاضی شوکانی کا جو مسلک آپ نے نقل کیا ہے مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔ مگر میں اس پر تفصیلی بحث ضروری نہیں سمجھتا۔ البتہ انہوں نے المُنتقٰی کی جو روایت ابوداؤد اور مُسندِ احمد سے نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر کسی شے کا کھانا حرام کر دیتا ہے تو اس کی قیمت بھی حرام کر دیتا ہے، اس کے متعلق میری گزارش صرف یہ ہے کہ میرے ناقص فہم کے مطابق جس طرح بعض دوسری صحیح احادیث سے مُردار کی کھال سے انتفاع کا جواز ملتا ہے، اسی طرح اُن کی بیع و شراء کا بھی جواز نکلتا ہے، کیونکہ یہ میرے نزدیک انتفاع ہی کی ایک صورت ہے۔ امام خطّابی کا قول ہے جسے دوسرے شارحینِ حدیث نے بھی نقل کیا ہے، کہ مردار کا گوشت اپنے پالتو کتّے کو کھلایا جا سکتا ہے اور یہ جائز انتفاع کی ایک صورت ہے۔ بعض احادیث میں شکار یا رکھوالی کے لیے کتوں کے رکھنے اور بیچنے کا جواز مذکور ہے حالانکہ ان کا گوشت نجس و حرام ہے۔ اسی طرح پالتو گدھا اور خچر حرام ہے، تو کیا اس سے انتفاع اور اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے؟ اگر آپ اور امام شوکانی اس کے بھی قائل ہیں تو میں اس پر بھی عرض کر سکتا ہوں کہ یہ بات ویسی ہی ہے جیسا کہ امام شوکانیؒ نے اسی بحث میں لکھا ہے المشھور عن مالک طھارۃ الخنزیر۔ یہ کسی معمولی مسلک کی بنیاد نہیں بن سکتی۔ امام شوکانیؒ نے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ فلا ینتفع من المیتۃ بشیٔ الا ما خصہ دلیل کالجلد المدبوغ۔ گویا کہ ان کے نزدیک بھی جِلدِ مدبوغ سے انتفاع دلیل (یعنی حدیث صحیح) کی بنا پر جائز ہے۔ تو اس کے بعد کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہر شخص اپنی کھال کو خود ہی دباغت دے، خود ہی استعمال کرے یا استعمال نہ کر سکے تو دوسرے کو بلا قیمت دے۔ میرے خیال میں یہ ایک ناقابلِ عمل اور غیر حکیمانہ مسلک ہے جو منشائے شریعت کے مطابق نہیں ہے۔

یہ بات بھی خلافِ تحقیق ہے کہ مردار کے سارے اجزاء اور ان سے انتفاع حرام ہے اور اس پر اجماع ہے۔ اجماع تو کجا، بعض اجزاء کا استعمال حدیث نبوی سے ثابت ہے۔ ابوداؤد، باب الانتفاع بالعاج سے معلوم ہوتا ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کے لیے ہاتھی دانت کے کڑے خریدوائے۔ بخاری میں امام زُہری کا قول درج ہے کہ میں نے بہت سے اصحاب سلف ایسے دیکھے جو ہڈی کی کنگھی استعمال کرتے تھے جو ہاتھی یا دوسرے مُردہ جانوروں کی ہوتی تھی۔

اسی طرح بال، سینگ اور کھر وغیرہ اجزا جن میں دوران خون اور آثار حیات مفقود ہوتے ہیں ان کا استعمال بھی جمہور نے جائز رکھا ہے خواہ وہ مردار کے ہوں۔

جہاں تک مردار کی چربی کا تعلق ہے بلاشبہ یہ ارشادِ نبوی کے بموجب نجس و حرام ہے۔ لیکن کھال کو چربی پر قیاس کرنا بھی میرے نزدیک صحیح نہیں، بالخصوص جب کہ کھال کا حکم الگ حدیث میں بیان فرما دیا گیا۔ حضرت جابرؓ والی حدیث میں صحابہ کرامؓ نے چربی کے متعلق خاص طور پر دریافت کیا مگر کھال کے متعلق دریافت نہیں کیا۔ اس لیے اس حدیث سے میری دانست میں کھال کے لیے کوئی حکم نہیں نکلتا۔ پھر مردار کی چربی کی جو صورتیں اس حدیث میں بیان ہوئی ہیں وہ سب ایسی ہیں جن میں اس کی چکناہٹ سے جسم یا کپڑوں کے آلودہ ہونے کا قوی امکان ہے۔ ظاہر ہے کہ چراغ میں یا کشتی یا چمڑے پر جب چربی استعمال ہوگی تو جو ہاتھ یا کپڑا اسے چھوئے گا وہ بھی ناپاک ہوگا۔ نجس اشیاء کا ضرورۃً ایسا خارجی استعمال جس سے اس طرح کی آلودگی کی صورت پیدا نہ ہونے پائے، میرے گمان کی حد تک وہ اس ممانعت کے تحت نہیں آتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

رُوداد اِبتلاء : احمد رائف مصری

ترجمہ جناب خلیل الحامدی

(۳)

میں نے دیکھا بڑے بھاری بھرکم اور صاحبِ عزّت وجاہ لوگوں کو قلعہ میں لایا جاتا مگر اُن کا جسمانی وزن یا علمی و معاشرتی وقار اُن کے نزدیک مچھّر کے پَر کے برابر بھی وزن نہ رکھتا تھا۔ فوج کے افسر اُن کے کپڑے اُتار دیتے اور لاٹھیوں سے اُن پر ٹوٹ پڑتے ۔ انہیں نہایت دردانگیز قاتلانہ ضربیں لگاتے ، یہ دیکھے بغیر کہ یہ ضربیں جسم کے کس حصّہ پر لگ رہی ہیں۔ اس قدر مارتے کہ وہ بیہوش ہوجاتے ۔ وہ اپنی ہر نوعیت کی طاقت کھو بیٹھتے ——— پھر اس حالت میں کہ ان کی شکلیں بگڑ چکی ہوتیں اور وہ برہنہ تن ہوتے انہیں افسروں کے سامنے کھڑا ہونے کا حکم دیا جاتا اور ان پر سوالات اور استفسارات کی بارش کی جاتی اور ساتھ ہی گھونسوں ، مکّوں اور پاؤں کی ٹھوکروں کی بارش بھی ، اور گالیوں کی بوچھاڑ بھی ۔ اپنے جرم سے بے خبر ملزم مسکین کا اپنا بیان کیا ہے ، تفتیش کنندگان کو اس کی اس قدر پروا نہ ہوتی جس قدر انہیں اس بات کی پروا ہوتی کہ وہ یہ اقبال کرے کہ وہ حکومت کا تختہ اُلٹنے کی سازش میں شریک تھا اور قبل اِس کے کہ سازش کامیاب ہوتی اُسے پکڑ لیا گیا ہے ۔ ایک مرتبہ مجھے خود ایک فوجی افسر نے قلعہ میں کہا تھا: "پوری قوم مُجرم اور سازشی ہے، اِلّا یہ کہ کوئی اپنی برأت اور بے گناہی ثابت کردے"۔

یہ تدبیر کچھ وقت کے لیے تو کامیاب ہوجاتی تھی ۔ چنانچہ اگر کوئی شخص دروغ گوئی، افتراء پردازی اور خیالی سازشوں کے اختراع کا راستہ اختیار کرلیتا تو تازیانۂ تعذیب اُس سے ہٹا لیا جاتا ۔ مگر جلد ہی اُن لوگوں پر یہ واشگاف ہوجاتا کہ وہ جھوٹا بیان دے رہا ہے اور وہ اُسے

اور زیادہ وحشیانہ اور بہیمانہ تعذیب کے حوالے کر دیتے۔

اگست ۱۹۶۵ء کے آخری ایام میں قلعہ کی دہشتناک جیل کے اندر ایسے ہی حالات گزرتے رہے۔ آخر کار میں سمجھ گیا کہ میری گرفتاری کیوں عمل میں آئی۔

ملٹری انٹیلی جنس کے لوگ یحییٰ حسین کو گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ پہلے میں یحییٰ حسین کی طرف اشارہ کر آیا ہوں۔ اس کو جب اپنی گرفتاری کا شبہ ہوا تو وہ فرار ہو گیا۔ چنانچہ انٹیلی جنس والوں کے وتیرہ کے مطابق اب یحییٰ حسین کے طالب علمی کے زمانے کے دوستوں اور دوران ملازمت کے ساتھیوں کا گرفتار کیا جانا ناگزیر تھا۔ جونہی اس کے فرار کی اطلاع ملی چند ساعتوں کے اندر اس کے تمام احباب واصحاب کو دھر لیا گیا۔ جس انسان کا بھی یحییٰ حسین کے ساتھ کسی نوعیت کا کوئی تعلق تھا وہ اِس زد میں آگیا۔ زرعی کالج کے متعدد لوگ، ہوا بازی کی تربیت کے ادارے کے متعدد افراد، اس کے ایسے جملہ دوست جو کالج یا ادارے سے باہر کے تھے، غرض سب گرفتاریوں کی لپیٹ میں آگئے۔ میں آخر الذکر قسم کے دوستوں میں سے تھا۔ گرفتار شدگان میں جن کی تعداد ایک سو سے بڑھ چکی تھی، ایک ایسا انسان بھی تھا جس کے بارے میں یہ تفتیش کی جا رہی تھی کہ اس کے ساتھ کس کس شخص کا تنظیمی رابطہ تھا۔ بہر حال یہ گرفتاریاں طرفہ دورنوں سے خالی نہ تھیں۔

یہ عبدالرؤف عبدالناصر، شریف خاندان کا چشم و چراغ ہے۔ اس کا والد سابقہ مجلس اعیان کا ممبر رہ چکا ہے۔ یہ ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۹۵۵ء تک سوئٹزرلینڈ میں رہا ہے اور یہ فارمیسی کی تعلیم حاصل کرتا رہا ہے۔ کیمسٹری اور فارمیسی میں بی اے کرنے کے بعد مصر واپس آیا۔ اور پھر اس کے جی میں کیا آئی کہ شہری ہوا بازی کے ادارے میں داخلہ لے لیا۔ پائلٹ بن گیا۔ شارع القصر العینی پر اس نے فارمیسی کی دکان بھی کھول لی۔ اس کے اوقات دو حصوں میں بٹ گئے۔ دکان پر بھی بیٹھتا۔ اور ہوائی جہاز کی بیرونی پروازوں کے اندر پائلٹ کے طور پر ملک سے باہر بھی چلا جاتا۔ مال اس پر نچھاور ہو گئی اور اس نے خوب دونوں ہاتھوں سے کمائی کی۔ دکان کی آمدنی بھی اور بیرون ملک پروازوں کی بدولت ہلکی پھلکی تجارت سے بھی۔ دین سے اسے کوئی واسطہ نہ تھا۔ سیاسی امور سے بھی لاتعلق تھا۔ سیاست کا وہ ایک حرف بھی نہ جانتا تھا۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ کون اقتدار پر آتا ہے اور کون اقتدار سے نکلتا ہے۔ حکومت کس کا حق ہے اور کس کا نہیں ہے۔ عیش و عشرت، لذت و تنعم اور فارغ البالی

کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ امرِ واقع کے لحاظ سے بھی اُس کے اندر اس کے سوا کوئی عیب نہیں تھا کہ وہ ہوا بازی کی تربیت کے ادارے میں اس گروپ کا ایک فرد تھا جس میں یحییٰ حسین بھی شامل تھا۔

عبدالرؤف کو تفتیش کے لیے لایا گیا۔ جب وہ لندن سے آرہا تھا تو قاہرہ ایئرپورٹ پر ہی اُسے گرفتار کر لیا گیا تھا۔ ایئرپورٹ پر اُسے کہا گیا کہ صرف پانچ منٹ کے لیے اُسے بلایا جارہا ہے۔ بیگ سمیت اُسے قلعہ لایا گیا اور اسے اس قدر زدوکوب کیا گیا کہ قریب تھا کہ وہ دم توڑ دے۔ بعد میں عبدالرؤف نے خود مجھ سے یہ طرفہ حکایت بیان کی کہ اُسے سر کے بل لٹکا کر مارا گیا۔ اسی حالت میں اُس نے اپنے چند اور پائلٹ ساتھیوں کو وہاں اُلٹے لٹکا ہوا دیکھا ـــــ مثلاً محمد الغنام، خالد سیف، ضیاء الطوبجی۔ چنانچہ اُس نے یہ قیاس کیا کہ شاید مصری ایئر کمپنی کے اندر کرپشن اور بداخلاقی بہت پھیل گئی ہے، اس لیے حکومت کمپنی کے کارکنوں کی تادیب کرنا چاہتی ہے اور اسی غرض کے لیے یہ سب لوگ یہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ جب اُس کے بیگ کی تلاشی لی گئی تو اس میں سے اعلیٰ قسم کی وسکی کی دو بوتلیں نکلیں۔ یہ اس امر کی واضح دلیل تھی کہ یہ شخص اسلام کی "تہمت" سے بری ہے۔ مگر یہ دلیل بھی اُس کے کچھ کام نہ آئی۔

خالد سیف، زرعی کالج میں بھی اور ہوا بازی کے ادارے میں بھی یحییٰ حسین کا کلاس فیلو تھا۔ تفتیش کی تابڑ توڑ مار نہ برداشت کر سکا۔ اُس نے تسلیم کر لیا کہ وہ اخوان المسلمون کی جماعت کا رکن ہے، حالانکہ اس نے اخوان کے بارے میں چند سرسری باتیں سن رکھی تھیں۔ بات یہاں پر ہی نہ رکی بلکہ جب اُس سے یہ پوچھا گیا کہ اُس کا اُسرہ (اخوان کے تنظیمی گروپ اُسرہ کہلاتے ہیں) کونسا ہے جس میں وہ شامل ہوتا رہا ہے، تو اُس نے بتایا کہ "اخوان المسلمون کے دو قسم کے اُسرے ہوتے ہیں ایک خارجی اور دوسرے داخلی۔ اُس کا تعلق خارجی اُسرہ سے ہے"۔ اس من گھڑت کی بنا یہ تھی کہ خالد سیف بیرون ملک بکثرت جاتا رہتا تھا۔ جب اخوان کی مالی امداد کے بارے میں اُس سے دریافت کیا گیا تو اُس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اُس نے خیال کیا کہ اب اُس کا راز کھل جائے گا اور یہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ میں سب جھوٹ گھڑ گھڑ کر بیان کر رہا ہوں۔ مگر جلد ہی اُس نے حل سوچ لیا۔ اُس نے بتایا کہ وہ ایک روز لبریشن گراؤنڈ کے اندر واقع مسجد عمر مکرم کے پاس کھڑا تھا کہ اس کے

پاس ایک شخص آیا جس کا نام اُسے معلوم نہیں، اور آکر مجھ سے پوچھنے لگا: کیا تم آخ (اخوان اپنے رکن یا رفیق کو آخ کہتے ہیں) ہو۔ میں نے جواب دیا: بے شک۔ اس کے بعد اُس شخص نے مجھ سے تیس قرش کی اعانت طلب کی۔ اور اُسی جگہ دوسری مرتبہ اُس نے پچاس قرش مانگے۔ یہ ہے خالد سیف کی تفتیشی رپورٹ۔ سادہ و مضحکہ خیز۔

تقریباً ۶ ماہ کے بعد یحییٰ حسین کے دوستوں میں سے جو خوش نصیب انسان تھے وہ رہا ہو گئے۔ کچھ لوگ سال کے بعد چھوٹے۔ کچھ نے دو سال گزارے۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں جو ان سطور کے رقم کرنے تک جیل میں پڑے ہیں (یہ سطور ۵ نومبر ۱۹۶۹ء کو لیمان طرہ کی جیل میں بدھ کی شام کو لکھی گئیں)۔

یحییٰ حسین کی کہانی سنیے۔ خفیہ پولیس کی جو رپورٹ سیکورٹی کورٹ آف اسٹیٹ کو پیش کی گئی ہے اُس میں حسب دفعہ ۱۲ فوجداری بابت سال ۱۹۶۵ء برائے تحفظ امن عامہ درج ذیل تفصیل دی گئی ہے:

۱۔ "تفتیش کے نتیجے میں ساتویں ملزم محمد ضیاء الدین عباس الطوبجی نے اقرار کیا ہے کہ ملزم یحییٰ حسین اُس کے ساتھ ہی جماعت اخوان المسلمون کی خفیہ تنظیم کا رکن تھا اور اس کا تعلق اُس "اُسرہ" (تنظیمی گروپ) سے تھا جو اُس کے مکان پر اجتماعات منعقد کیا کرتا تھا۔ اور یہ کہ ملزم یحییٰ حسین اپنی ماہانہ آمدنی کا پانچ فیصد جماعت کو بطور اعانت دیتا تھا۔ اور یہ کہ ملزم یحییٰ حسین نے اپنے گھر میں جاپانی طرز کی کشتی اور کھیلوں کی تربیت حاصل کر رکھی تھی۔ آتشیں اسلحہ کے استعمال کا طریقہ بھی سیکھ رکھا تھا۔ اُس نے ایک خنجر بھی وصول کیا تھا۔ نیز اُس نے علی عُشماوی اور زینب الغزالی سے چند تنظیمی نوعیت کے خطوط بھی وصول کیے تھے تاکہ وہ ملک سے باہر جاتے وقت ساتھ لے جائے اور اخوان المسلمون کے متعلقہ افراد کو جو جدہ اور خرطوم میں رہتے ہیں بھیج دے۔"

"علی عشماوی نے ۱۹۶۵ء میں یحییٰ حسین سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ جب کسی پرواز میں بیرون ملک جائے تو ہو سکے تو ایک بے آواز کا ریوالور اُس کے لیے خرید لائے۔ نیز ملزم یحییٰ حسین نے جون ۱۹۶۵ء میں علی عشماوی کے ساتھ مل کر قاہرہ کے بین الاقوامی ہوائی اڈے کے پاور ہاؤس کا معائنہ کیا تاکہ اُسے اُڑانے اور تباہ کرنے کی کارروائی کی جاسکے۔ ملزم یحییٰ حسین ہی مختلف پاور ہاؤسوں کے اندر ٹائم بم رکھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ خفیہ تنظیم کا ایک اور رکن جو انجینیر ہے ملزم کے ساتھ ایئر پورٹ کے جائزے کے لیے گیا۔ دونوں نے مل کر بھرپور جائزہ لیا۔ بجلی پیدا کرنے کی مشینیں دیکھیں،

ٹیلی فون کے کنکشن دیکھے۔ واچ ٹاور کا جائزہ لیا اور جہازوں کو گائیڈ کرنے کا سسٹم دیکھا۔ اور یہ کہ علی عشماوی نے مذکورہ ملزم (یحیی حسین) کی ماہ جولائی ۱۹۶۵ء میں یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ قاہرہ کے ریلوے اسٹیشن جائے اور صدر جمہوریہ جب ریل کے ذریعہ سفر کر رہے ہوں تو ان کی نگرانی کرے اور پھر اس بارے میں اپنی رپورٹ اُسے پیش کرے۔ علی عشماوی نے اگست ۱۹۶۵ء کو ملزم کو یہ بھی کہا کہ اگر وہ ـــ یعنی علی عشماوی ـــ گرفتار ہو جائے تو اس کے بعد ملزم فاروق المنشاوی سے رابطہ قائم کرے اور اُس سے ضروری ہدایات حاصل کرے۔ چنانچہ علی عشماوی کی گرفتاری کے بعد ملزم یحیی حسین نے فاروق المنشاوی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ اور جب ملزم اُس سے رابطہ قائم نہ کر سکا تو ملزم نے مذکور کو اطلاع کروادی کہ وہ خرطوم فرار ہونے والا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ملزم اور فاروق المنشاوی میں باہم رابطہ قائم نہیں ہوسکا۔"

(۲) "بارھویں ملزم فاروق عباس سید احمد نے اقرار کیا کہ ملزم یحیی حسین نے ۱۹۶۵ء میں اُسے بتایا تھا کہ وہ اخوان المسلمون کی خفیہ تنظیم کا رکن ہے۔ اور یہ تنظیم طاقت کے ذریعہ موجودہ حکومت کو بدلنا چاہتی ہے۔ اور یہ کہ ملزم جاپانی کھیلوں کی ریہرسل کر رہا ہے۔ اور تنظیم کے احکام پر عملدرآمد کرنے کے لیے وہ طویل مسافت پیدل طے کرنے کی ورزش بھی کر رہا ہے۔ ملزم یحیی حسین نے اُسے ـــ یعنی فاروق عباس کو ـــ بھی مشورہ دیا کہ وہ اس تنظیم میں شامل ہو جائے۔ اور یہ کہ ملزم نے ۲۲ اگست ۱۹۶۵ء کو اُسے یہ کہا کہ فاروق المنشاوی سے بذریعہ ٹیلی فون رابطہ قائم کر کے اُسے یہ اطلاع کر دی جائے کہ تنظیم کے چند ارکان گرفتار کیے جا چکے ہیں۔ مگر فاروق المنشاوی سے رابطہ قائم کرنے کا اُسے موقع نہیں مل سکا..... ختم شد۔"

یحیی حسین پر اسٹیٹ سیکورٹی کورٹ میں غائبانہ مقدمہ دائر کیا گیا۔ اس کورٹ کا سربراہ جمال الدین محمود تھا۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران جمال الدین محمود کا انتقال ہو گیا اور پھر میجر جنرل حسن التمیمی کے سامنے دوبارہ مقدمہ پیش ہوا۔ کورٹ کی طرف سے یحیی حسین کو ۲۵ سال قید بامشقت کی غائبانہ سزا سنائی گئی۔ وہ اس وقت سوڈان کے باغات میں بیٹھا آزادی کے مزے لوٹ رہا تھا۔ اس نے جن "خطرناک جرائم" کا ارتکاب کیا تھا وہ یہ تھے کہ اُس نے معائنہ کیا۔ رابطہ قائم کیا۔ پیغام پہنچایا۔ ملاقات کی۔ کہا۔ سنا۔" لہذا عمر قید بامشقت کی سزا اُسے ملنا ناگزیر تھی۔

(دیکھیے صفحہ ۴۸)

رسائل و مسائل

۱۔ بعض اہلِ مکّہ کی باہم رشتہ داریاں
۲۔ حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کے وقت مسلمانوں کی تعداد

سوال :- (۱) ترجمان القرآن جولائی ۷۶ء کے صفحہ ۱۲ (مہاجرین حبشہ کی فہرست کے نمبر ۴۰) پر عیّاشؓ بن ابی ربیعہ کے نام کے بعد قوسین میں انہیں ابوجہل کا بھائی ظاہر کیا گیا ہے۔ صفحہ ۱۵ پر بغلی عنوان "مکّہ میں اس ہجرت کا ردِ عمل" کے تحت حضرت عیّاشؓ کو ابوجہل کا چچا زاد بھائی تحریر کیا گیا ہے اور صفحہ ۱۶ پر حضرت عیّاشؓ کے سگے بھائی عبداللہ بن ابی ربیعہ اور صفحہ ۲۲ پر حضرت عیّاشؓ کو ابوجہل کے ماں جائے بھائی لکھا گیا ہے۔ کیا یہ درست ہے کہ حضرت عیّاشؓ ابوجہل کے چچا زاد اور ماں شریک بھائی تھے۔

(۲) ترجمان اگست ۷۶ء کے صفحہ ۱۹ پر حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۳۹ آدمی تھے اور میں نے شامل ہوکر ان کو ۴۰ کر دیا۔ آپ نے اس قول کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ ممکن ہے اس وقت حضرت عمرؓ کو اتنے ہی آدمیوں کا علم ہو کیونکہ بہت سے مسلمان اپنا ایمان چھپائے ہوئے بھی تھے۔ اس ضمن میں یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ ابتدائی سہ سالہ خفیہ تحریک کے دوران میں ۱۳۳ آدمی مسلمان ہوئے۔ بعد ازاں علی الاعلان تبلیغ اسلام شروع ہوئی اور اکا دکا لوگ مسلمان ہوتے گئے تا آنکہ کفار کی مخالفت شدت اختیار کر گئی اور سنہ ۵، سنہ ۶ بعد بعثت میں ۱۰۳ صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف دو مرحلوں میں ہجرت کرنا پڑی جن میں سے چند ایک بعد ازاں تشریف لے آئے۔ اس ہجرت سے مکہ مکرمہ میں کہرام مچ گیا۔ مہاجرین میں حضرت عمرؓ کے قبیلہ بنی عدی کے افراد بھی شامل تھے اور اس ہجرت سے حضرت عمرؓ متاثر بھی ہوئے۔ چنانچہ یہ تو ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے قبولِ اسلام کا اعلان نہ کیا ہو ان کے بارے میں حضرت عمرؓ کو معلومات

نہ ہوں۔ لیکن یہ کیونکر ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے باخبر آدمی کو مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کا علم نہ ہو جو ہجرت کر کے حبشہ میں مقیم تھے؟ کیا حضرت عمرؓ کے قول کا مفہوم یہ نہیں ہو سکتا کہ جب وہ قبولِ اسلام کے لیے دارِ ارقم تشریف لے گئے تو اس وقت وہاں صرف ۳۹ آدمی تھے اور حضرت عمرؓ کے آنے سے ۴۰ ہو گئے اور یہی حضرات دو صفوں میں مسجد حرام کی طرف نکلے۔ ایک صف میں حضرت حمزہؓ تھے اور دوسرے میں حضرت عمرؓ۔ مزید برآں اس وقت مکہ مکرمہ میں دس مسلمان عورتیں بھی تھیں اور دیگر صحابہ و صحابیاتؓ اس وقت حبشہ میں بطور مہاجرین مقیم تھے۔"

جواب:۔ آپ کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ ابوجہل کے چچازاد بھائی بھی تھے اور ماں جائے بھائی بھی۔ اس خاندان کے رشتوں کو اچھی طرح سمجھ لیجیے کیونکہ اسلام کی ابتدائی تاریخ سے ان کا گہرا تعلق ہے۔

بنی مخزوم کے سردار مُغیرہ بن عبداللہ بن عُمر بن مخزوم کے کئی بیٹے تھے جن میں سے چند یہ ہیں جن کا ہماری تاریخ سے خاص تعلق ہے۔

۱۔ وَلید بن مُغیرہ حضرت خالد بن ولید کا باپ۔

۲۔ ہاشم بن مُغیرہ۔ اس کی بیٹی حَنتَمہ حضرت عمرؓ کی ماں۔

۳۔ ہِشام بن مُغیرہ۔ ابوجہل اور حارث کا باپ۔

۴۔ ابواُمیّہ بن مغیرہ، حضرت اُمِ سَلَمہ کا باپ۔

۵۔ ابو رَبیعہ بن مغیرہ۔ اس نے اپنے بھائی ہِشام کے بعد اس کی بیوی اسماء بنت مُخرِّبہ (ابوجہل اور حارث کی ماں) سے نکاح کیا اور اس سے حضرت عیاشؓ بن ربیعہ پیدا ہوئے۔ اس طرح حضرت عیاش ابوجہل کے ماں جائے بھائی بھی تھے اور چچازاد بھائی بھی۔

اسی خاندان سے مُغیرہ کے ایک بھائی اَسَد بن عبداللہ بن عُمر بن مخزوم کا بیٹا عبدِ مَناف حضرت اَرقمؓ کا باپ تھا جن کا دارِ اَرقم اسلامی تاریخ میں مشہور ہے۔

مغیرہ کے دوسرے بھائی ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کا بیٹا عبدالاَسد حضرت ابوسلمہؓ (ام المومنین حضرت اُمِ سَلَمہؓ کے پہلے شوہر) کا باپ تھا۔

آپ کے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہجرتِ حبشہ کے بعد مکے میں جو مسلمان رہ گئے تھے

اُن کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ وہ سب کے سب دارِ ارقم میں پناہ گزین نہ تھے، بلکہ اُن کی ایک تعداد اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھی، اور ایک تعداد دارِ ارقم میں حضور کے ساتھ مقیم تھی — حضرت عمرؓ نے انہی کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ ۳۹ تھے اور میری شرکت سے ۴۰ ہوگئے۔

معراج کے موقع پر حضورؐ کو کیا تعلیمات دی گئی تھیں؟

سوال:۔ واقعۂ اسراء و معراج کے متعلق جناب کے حالیہ مضمون کو پڑھ کر ذہن میں مندرجہ ذیل خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اُمید ہے کہ جناب اس سلسلے میں مناسب رہنمائی فرمائیں گے۔

جناب نے اس واقعہ کے دو مقاصد بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا مقصد آنحضرتؐ کو کائنات کے باطنی نظام کا ادراک حاصل کرنے کے لیے اُن نشانیوں کا مشاہدہ کرانا مقصود تھا جنہیں قرآن حکیم آیاتنا الکبریٰ کہتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ کو اپنی بارگاہ میں طلب کر کے اسلامی معاشرہ کے قیام کے بارے میں چند بنیادی ہدایات دینا چاہتا تھا۔

بلاشبہ قرآن حکیم سے معراج کے یہ دونوں مقاصد ثابت ہیں۔ مگر قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ اگر پہلا مقصد آنحضرتؐ کو عظیم نشانیاں دکھانا ہی تھا تو یہ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچنے تک حاصل ہو چکا تھا۔ حضورؐ دوسرے ملائکہ کے علاوہ حضرت جبریل امین کو دو بار اُن کی اصل صورت میں ملاحظہ کر چکے تھے، انبیاء کرام سے تعارف ہو گیا تھا، جزاء و سزا کی کئی صورتیں دکھائی جا چکی تھیں، بیت المعمور، جنت الماویٰ اور دوزخ جیسے مقامات کا مشاہدہ بھی مکمل ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس غرض کے لیے اب عالمِ شہادت کی سرحد کو عبور کر کے عالمِ غیب میں قدم آگے بڑھانے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ جہاں تک دوسرے مقصد کا تعلق ہے وہ بارگاہ جلال میں حاضر ہوئے بغیر بھی پورا ہو سکتا تھا۔ جب سارا قرآن سرزمین عرب ہی میں آنحضرتؐ پر نازل ہو سکتا تھا تو ان ہدایات کے نازل ہونے میں کیا چیز مانع تھی۔

دراصل ان دونوں مقاصد کے علاوہ معراج النبی کا ایک تیسرا مقصد بھی قرآن و حدیث ہی سے ثابت ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ قرب کی انتہائی بلندیوں

پر پہنچا کر ان مخصوص اذواق و مواجید اور اسرار و رموز کی تعلیم دینا چاہتا تھا جو الفاظ میں نہیں بیان کیے جا سکتے۔ واوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ کے الفاظ اسی مقصد کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ جو کچھ وحی کیا گیا اسے الفاظ میں کیوں نہیں بیان کیا گیا ؟ ہم اس مخصوص وحی کو وحیِ غیر متلو کہنے میں بھی حق بجانب ہو سکتے ہیں اور اس میں ان علوم کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے جو حضرت جبریل امین کی دسترس سے باہر ہیں۔ اسی تعلیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی صاحبِ دل نے کہا تھا ؎

سِرِّ ما اوحیٰ نہ گنجد در ضمیر جبرئیل ۔۔ کشف اسرار لدنی کے کند امّ الکتب

یہ ظاہر ہے کہ وحیِ جلی اور اس مخصوص وحی کی تعلیم میں نہ تو کوئی تضاد ہو سکتا ہے اور نہ وحیِ جلی پر وحیِ خفی کو ترجیح دینے کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہاں سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ کے ان مخصوص اذواق اور احوال کی توفیق جزوی طور پر آنحضرتؐ کے بعض امتیوں کو نصیب کر دیتا ہے تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ سخی اگر سخاوت نہ کرے تو وہ سخی نہیں کہلا سکتا۔ حضرت ابوبکرؓ کے سینے میں ایک رازِ الٰہی کا راسخ ہو جانا اور اسی کی بنا پر آپ کا دیگر اصحابِ رسول پر فضیلت حاصل کرنا حدیث سے ثابت ہے۔ کسی مومن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ جس چیز کو اللہ کے رسول نے "راز" قرار دیا ہوا سے وہ کسی اور شے پر محمول کرے۔

جہاں تک معراج کے موقع پر دیدارِ الٰہی کے مسئلے کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ لوگ اس بارے میں فضول بحثوں میں الجھ گئے ہیں۔ جب یہ ثابت ہے کہ عالمِ آخرت میں مومنین دیدارِ الٰہی کریں گے تو عالمِ غیب میں آنحضرتؐ کے دیدارِ الٰہی سے مشرف ہونے میں تعجب کی کیا بات ہے۔ حضرت عائشہؓ لاتدرکہ الابصار کے الفاظ سے بچشمِ سر دیدارِ الٰہی کی نفی فرما رہی ہیں جس کا تعلق اس عالمِ شہادت سے ہے نہ کہ عالمِ غیب یا عالمِ آخرت سے۔ جناب خود بھی تفہیم القرآن میں وضاحت فرما چکے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ دیدار کا فعل آنکھ نامی ایک آلے ہی سے ہو۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے قلب یا قلب کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے بھی دیدار کی صورت پیدا کر دینے پر قادر ہے ؎

ایں خاک بے ادب را نسبت بہ او چہ باشد ۔۔ اما چو او نوازد کس را زباں نہ باشد

جواب :- یہ بات صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بلا کر حضورؐ کو انتہائی تقرب

عطا فرمایا تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ وہاں حضورؐ کو ایسے اسرار کی تعلیم دی گئی جو امت سے مخفی رکھنے کے لیے تھی۔ سورۂ تکویر میں صاف فرمایا گیا ہے کہ "وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ۔" اور وہ (ہمارا رسول) غیب پر بخیل نہیں ہے"۔ یعنی جو غیب کے علوم اُس کو دیے گئے ہیں وہ انہیں چھپا کر رکھنے والا اور انہیں اپنے تک محدود رکھ کر بخل کرنے والا نہیں ہے۔ یہی بات سورۂ جن کی آخری دو آیتوں میں فرمائی گئی ہے جن کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ رسول پر اپنے غیب کا جو علم ظاہر فرماتا ہے وہ تبلیغِ رسالت کے لیے ہوتا ہے۔ اور یہی بات سورۂ مائدہ کی آیت ۶۷ میں ارشاد ہوئی ہے کہ اے رسول، جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔ صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی خاص تعلیم مخفی طور پر حضورؐ نے آپ کو دی تھی؟ انہوں نے برسرِ منبر اس کا انکار فرمایا اور اپنی تلوار کے نیام میں سے چند شرعی احکام نکال کر لوگوں کو بتائے جو انہوں نے حضورؐ سے سن کر لکھ لیے تھے۔

وحیٔ متلو کے علاوہ اگر اُس موقع پر کوئی تعلیم حضورؐ کو وحیٔ غیر متلو کے طور پر دی گئی ہوگی تو لامحالہ وہ اسلامی نظام کو نافذ کرنے اور دینِ حق کو قائم کرنے کی حکمت ہی ہو سکتی تھی، جس کے اظہار کا موقع عنقریب ہجرت کے بعد حضورؐ کو ملنے والا تھا۔ یہ حکمت حضورؐ کے اُس پورے کارنامے میں بھی ظاہر ہوگئی جو مدینۂ طیبہ کی دس سالہ زندگی میں آپ نے انجام دیا۔ اور یہ اُن احکامِ امر و نہی، اُن مواعظ و نصائح اور اُن قولی و عملی ہدایات میں بھی ظاہر ہوئی جن سے آپؐ نے صحابہ کرام کی تربیت فرمائی۔ ایسے اسرار و رموز اور ذاتی مواجید کا کوئی ثبوت ہمیں سنّت میں نہیں ملتا جن کی تلقین امّت سے مخفی رکھ کر کسی خاص شخص یا مخصوص اشخاص کو فرمائی گئی ہو۔

جہاں تک دیدارِ الٰہی کا تعلق ہے اس کے بارے میں سوال بچشمِ سر دیکھنے کا تھا، اور معتبر احادیث کی رُو سے حضورؐ نے اسی کا انکار فرمایا تھا۔

۱۔ دین و شریعت کی تشریح کے متعلق ایک سوال
۲۔ احکامِ عُمرہ و حج کے متعلق ایک سوال

سوال:- (۱) تفہیم القرآن جلد چہارم سورۃ الشوریٰ کے حاشیہ ۲۰ صفحہ ۴۸۸۔ ۴۸۹ پر آپ نے

تحریر فرمایا ہے:-

"بعض لوگوں نے .... یہ رائے قائم کر لی کہ لامحالہ اس دین سے مراد شرعی احکام وضوابط نہیں ہیں، بلکہ صرف توحید و آخرت اور کتاب و نبوت کو ماننا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بجا لانا ہے، یا حد سے حد اس میں وہ موٹے موٹے اخلاقی اصول شامل ہیں جو سب شریعتوں میں مشترک رہے ہیں۔ لیکن یہ ایک بڑی سطحی رائے ہے جو محض سرسری نگاہ سے دین کی وحدت اور شرائع کے اختلاف کو دیکھ کر قائم کر لی گئی ہے۔ اور یہ ایسی خطرناک رائے ہے کہ اگر اس کی اصلاح نہ کر دی جائے تو آگے بڑھ کر بات دین و شریعت کی اُس تفریق تک جا پہنچے گی جس میں مبتلا ہو کر سینٹ پال نے دین بلا شریعت کا نظریہ پیش کیا اور سیدنا مسیح علیہ السلام کی اُمت کو خراب کر دیا۔"

بعد ازاں قرآن کی آیات کے حوالے سے آپ نے ثابت فرمایا ہے کہ دین سے مراد صرف ایمانیات ہی نہیں بلکہ شرعی احکام بھی اس میں شامل ہیں اور اُمتِ محمدیہ کو جو شریعت دی گئی وہ اِس دَور کے لیے دین ہے اور اس کا قائم کرنا ہی دین کا قائم کرنا ہے۔ اس سلسلے میں گذارش ہے کہ "رسالہ دینیات" کے باب ششم میں دین اور شریعت کا فرق جو آپ نے بیان فرمایا ہے میری ناقص رائے میں اس پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

(۲) ہمارے ایک رکن جماعت نے (جو حج کی سعادت حاصل کر چکے ہیں) ایک اجتماع میں کہا کہ محترم مولانا نے تفہیم میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص موسم حج میں حج سے پہلے عمرہ کرے تو وہ قربانی دے۔ لیکن مکہ مکرمہ میں عمرے کے بعد کوئی قربانی نہیں دی جاتی۔ اس ضمن میں انھوں نے تفہیم القرآن جلد اوّل سورۃ البقرہ آیت ۱۹۶ کے ترجمے کا حوالہ دیا ہے جو درج ذیل ہے:

"........ تو جو شخص تم میں سے حج کا زمانہ آنے تک عمرے کا فائدہ اُٹھائے وہ حسب مقدور قربانی دے ......" میں نے انھیں سمجھانے کی اپنی سی کوشش کی کہ یہ تو آیت کا ترجمہ ہے اور اس کا مفہوم یہ نہیں کہ عمرے کے فوراً بعد ہی قربانی دی جائے، بلکہ مراد یہ ہے کہ تمتع اور قران میں قربانی واجب ہے۔ حج کا زمانہ آنے تک عمرے کا فائدہ اُٹھانے کے بارے میں جو وضاحت آپ نے حاشیہ ۲۱۳ کے آخر میں فرمائی ہے اس کی طرف بھی ان کی توجہ مبذول کرائی گئی لیکن ان کا اصرار ہے کہ بیان واضح نہیں۔ بہرحال اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس مسئلے کی مزید وضاحت فرمائیں تاکہ غلط فہمی کا امکان نہ رہے۔

جواب:۔ سورۂ شوریٰ کا حاشیہ نمبر ۲۰ اگر پورا پڑھا جائے تو رسالۂ دینیات میں دین اور شریعت کے فرق پر جو مختصر کلام کیا گیا ہے اس پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ خصوصیت کے ساتھ آپ صفحہ ۴۹۰ کی یہ عبارت دیکھیں: "جس نبی کی اُمت کو جو شریعت بھی اللہ تعالیٰ نے دی تھی وہ اس اُمت کے لیے دین تھی اور اُس کے دورِ نبوت میں اُسی کی اقامت مطلوب تھی۔ اور اب چونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دورِ نبوت ہے، اس لیے اُمت محمدیہ کو جو شریعت دی گئی ہے وہ اس دَور کے لیے دین ہے اور اسی کا قائم کرنا ہی دین کا قائم کرنا ہے۔"

رسالۂ دینیات میں جو بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ دین کا حصّۂ ایمانیات ہمیشہ سے مشترک رہا ہے، اور اس کا حصّہ شریعت مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء کے ذریعے سے بلحاظِ احوال مختلف رہا ہے۔ یہ رسالہ چونکہ مبتدیوں کے لیے لکھا گیا تھا اس لیے اس میں وہ مفصل بحث نہیں کی جا سکتی تھی جو سورۂ شوریٰ کی تفسیر میں کی گئی ہے۔

سورۂ بقرہ آیت ۱۹۶ میں تین حکم الگ الگ بیان فرمائے گئے ہیں۔ (۱) جب آدمی نے حج یا عمرے کے لیے احرام باندھ لیا ہو اور پھر کوئی مانع ایسا پیش آ گیا ہو کہ حرم تک پہنچنا ممکن نہ رہا ہو تو اُسے ہَدی بھیجنی چاہیے اور اس وقت تک احرام سے باہر نہ آنا چاہیے جب تک ہَدی کی قربانی نہ ہو چکی ہو۔ (۲) اگر آدمی کسی بیماری کی وجہ سے حجامت کرانے پر مجبور ہو جائے تو حجامت کرائے اور فدیہ ادا کرے۔ (۳) اگر کوئی امر مانع پیش نہ آیا ہو اور آدمی حرم پہنچ گیا ہو تو تمتّع یا قِران کرنے کی صورت میں اسے قربانی دینی ہو گی۔ البتہ اِفراد کرنے کی صورت میں اس پر کوئی دم واجب نہ ہو گا۔

ایک علمی اصطلاح کے ترجمے پر اعتراض

سوال:۔ "میں آپ کی توجہ ایک ترجمے کی غلطی کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ ترجمان القرآن شمارہ جنوری ۱۹۵۶ء میں رسائل و مسائل کے زیرِ عنوان آپ نے "واحد الخلیّہ سالمہ" (UNICELLULAR MOLECULE) کا لفظ استعمال کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ علمِ حیات (BIOLOGY) کی رُو سے یہ ایک انتہائی عام بات ہے کہ تمام زندہ اجسام خلیوں (CELLS) سے بنے ہوتے ہیں اور ہر زندہ خلیے میں کئی

اقسام کے اربوں کھربوں کی تعداد میں مالیکیول یا سالمے (MOLECULES) پائے جاتے ہیں جن کا کام ساخت بنانا یا توانائی مہیا کرنا ہوتا ہے۔ یہ مالیکیول کیمیائی اکائیاں (CHEMICAL UNITS) ہوتی ہیں۔ جب ایک خلیے (CELL) میں اربوں مالیکیول پائے جاتے ہوں تو پھر آپ کا یہ کہنا کہ (UNICELLULAR MOLECULE) جس کا ترجمہ "ایک خلیے والا سالمہ" ہوگا قطعاً غلط ہے اور آپ تمام سائنسی لٹریچر میں کسی ایک جگہ بھی یہ لفظ لکھا ہوا نہیں دکھا سکتے۔ اگرچہ بعض انتہائی قدیم اور ایک خلیے پر مشتمل جانور پائے جاتے ہیں مثلاً (VIRUS) اگر آپ کی مراد ان سے ہے تو صحیح ترجمہ ہوگا یک خلیہ جانور (UNICELLULAR ORGANISMS)۔ اکثر VIRUS کے اجسام میں صرف ایک لمبا سالمہ (DNA MOLECULE) پایا جاتا ہے۔ جن کو ہم ایک سالمے والے خلیے (UNIMOLECULAR CELLS) کہہ سکتے ہیں۔ ترجمے کی یہ غلطی "تفہیمات" حصہ دوم میں نظریہ ارتقاء کی بحث میں بھی موجود ہے جہاں آپ نے واحد الخلیہ جھینگے کا لفظ استعمال کر کے اس کا انگریزی ترجمہ بھی درج کیا ہے۔"

جواب:۔ آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے میری ایک غلطی کی طرف توجہ دلائی۔ علم الحیات (BIOLOGY) کی رُو سے یہ بات صحیح ہے کہ زندہ اجسام (ORGANISMS)، خواہ وہ حیوانی ہوں یا نباتی، بہت سے خلیوں (CELLS) پر مشتمل ہوتے ہیں اور ہر خلیہ بے شمار سالموں (MOLECULES) سے مرکب ہوتا ہے۔ لیکن علم الحیات ہی کی رُو سے خلقِ خدا میں بہت سے ایسے اجسامِ نامیہ یا زندہ اجسام (ORGANISMS) بھی پائے جاتے ہیں جن کا وجود ایک ہی ایسی اکائی (UNIT) پر مشتمل ہوتا ہے جو بالاتر درجے کے پودوں اور جانوروں کے خلایا (CELLS) سے مشابہ ہوتی ہے۔ ایسے اجسام عام طور پہ واحد الخلیہ (UNICELLULAR) کہے جاتے ہیں۔ پھر چونکہ خلیہ تمام اجسام کا سب سے چھوٹا یونٹ ہوتا ہے، خواہ وہ واحد الخلیہ ہوں یا کثیر الخلیہ، اور اس میں ذی حیات مادے کی تمام صفات پائی جاتی ہیں، اس لیے بعض اعتبارات سے اس کو زندہ مادے کا سالمہ (MOLECULE OF LIVING MATTER) قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کی تصریح آپ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (سنہ ۱۹۶۷ء ایڈیشن) کی جلد ۳ صفحہ ۶۵۵ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

آپ نے خود بھی یہ لکھا ہے کہ اکثر وِرس (VIRUS) ایسے ہوتے ہیں جن کے اجسام میں صرف

ایک لمبا سالمہ پایا جاتا ہے اور ان کو ہم ایک سالمے والے خلیے (UNI MOLECULAR CELLS) کہہ سکتے ہیں۔ اس سے خود وہ قاعدۂ کلیہ ٹوٹ جاتا ہے جو آپ نے بیان کیا ہے کہ ہر زندہ خلیے میں کئی اقسام کے اربوں اور کھربوں سالمے (MOLECULES) ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یک سالمہ خلیے (UNI MOLECULAR CELL) اور واحد الخلیہ سالمے (UNICELLULAR MOLECULE) میں آخر الفاظ کے اُلٹ پھیر کے سوا اور کیا فرق ہے؟ دونوں صورتوں میں ایک ایسے زندہ خلیے کا وجود مسلم ہے جو ایک ہی سالمے پر مشتمل ہوتا ہے خواہ آپ اس کو واحد الخلیہ سالمہ کہیں یا واحد السالمہ خلیہ۔

تفہیمات حصہ دوم میں جس چیز کو میں نے بھُنگا لکھا ہے اس سے مراد ایک سالمے والا زندہ خلیہ ہے جسے آپ نے لفظ "جانور" سے تعبیر کیا ہے۔

فقر کا مفہوم

سوال: علامہ اقبال مرحوم نے اپنے کلام میں "فقر" کا لفظ کثرت سے استعمال کیا ہے۔ میں اس موضوع پر ان کے اشعار جمع کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپ کے نزدیک فقر سے کیا مراد ہے؟

جواب: فقر کے لغوی معنی تو احتیاج کے ہیں۔ لیکن اہل معرفت کے نزدیک اس سے مراد مفلسی اور فاقہ کشی نہیں ہے، بلکہ خدا کے سوا ہر ایک سے بے نیازی ہے۔ جو شخص اپنی حاجت مندی کو غیر اللہ کے سامنے پیش کرے اور جسے غنا کی حرص دوسروں کے آگے سر جھکانے اور ہاتھ پھیلانے پر آمادہ کرے وہ لغوی حیثیت سے فقیر ہو سکتا ہے، مگر نگاہِ عارف میں دریوزہ گر ہے، فقیر نہیں ہے۔ حقیقی فقیر وہ ہے جس کا اعتماد ہر حالت میں اللہ پر ہو۔ جو مخلوق کے مقابلے میں خود دار اور خالق کے آگے بندۂ عاجز ہو۔ خالق جو کچھ بھی دے، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، اس پر قانع و شاکر رہے اور مخلوق کی دولت و جاہ کو نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھے۔ وہ اللہ کا فقیر ہوتا ہے نہ کہ بندوں کا۔

مطبوعات

علمی اُردو لغت (جامع) | تالیف: جناب وارث سرہندی صاحب

شائع کردہ: علمی کتاب خانہ، اردو بازار لاہور

قیمت مجلّد: ۱۵۰/- روپے صفحات: ۱۶۲۰

جناب وارث سرہندی اگرچہ ایک گوشہ نشین صاحب علم ہیں، لیکن اُردو کے لسانی مطالعے میں ان کی خدمات کا ہر حلقہ معترف ہے۔ انہوں نے زیر تبصرہ لغت ترتیب دے کر اُردو زبان و ادب کی خدمت کے ساتھ ساتھ اس کے سرمایۂ فرہنگ میں کمی کو بطریقِ احسن پورا کیا ہے۔ یہ لغت نہ تو فرہنگ آصفیہ اور نور اللغات کی طرح ضخیم ہے اور نہ اتنا مختصر کہ ضرورت کے عام الفاظ بھی اس میں جگہ پانے سے رہ جائیں۔ اس میں جامعیت اور اختصار کو بڑی محنت سے ہم رکاب رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

فاضل مرتب نے دوسرے لغات کو سامنے رکھ کر محض الفاظ و معانی نقل نہیں کر دیے ہیں بلکہ ہر لفظ کو اس کے ماخذ کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس لغت میں اس امر کا بھی اہتمام کیا گیا ہے کہ اُردو زبان میں جو جدید الفاظ، تراکیب اور مصطلحات رواج پا چکے ہیں انہیں صحت کے ساتھ درج کیا جائے۔ الفاظ پر اعراب لگانے کا التزام کیا گیا ہے اور لفظ کے تمام پہلو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ علمی اور فنی اصطلاحات کا استعمال جو کسی ایک طبقے تک محدود نہیں اور جو علمی و فنی کتابوں میں عام طور پر مستعمل ہیں، انہیں اس لغت میں شامل کر لیا گیا ہے۔

انسانی کوشش میں خواہ کتنی ہی بھرپور اور سلیقے سے کی جائے خامیاں رہ ہی جاتی ہیں۔ اس بنا پر یہ لغت بھی اگرچہ بڑی احتیاط اور عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ہے لیکن اغلاط سے مبرا نہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ انگریزی الفاظ اور مصطلحات کے جو تراجم فاضل مرتب نے درج کیے ہیں وہ نظرِ ثانی کے محتاج ہیں۔ مثلاً انہوں نے خود ارادیت کو SELF DETERMINISM کا ترجمہ

قرار دیا ہے درآنحالیکہ انگریزی میں DETERMINISM جبریّت کے معنوں میں مستعمل ہے اس کے علاوہ ذخیرۂ الفاظ میں بھی قدرے اضافہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اگر ان دو گذارشات پر غور کر لیا جائے تو یہ لغت جو اپنی موجودہ صورت میں بڑا ہی قابلِ قدر ہے ، ایک معیاری اور مستند لغت بن سکتا ہے۔

ہم فاضل مرتب اور ناشر کی اس علمی کاوش کو ہر اعتبار سے قابل ستائش سمجھتے ہیں۔

بہشتی زیور (حصہ اوّل و دوم)

ناشر: مکتبۂ زریں ، جہازی بلڈنگ ، موڑ سمن آباد ، رستم پارک ، لاہور

صفحات : ۱۵۸ (فی حصہ)

قیمت : ساڑھے پانچ روپے (فی حصہ)

زیر نظر کتاب اُردو زبان میں اسلامی عقائد اور فقہی احکام و مسائل پر مشتمل ہے جسے پاک و ہند کے مشہور فقیہ اور جیّد عالمِ دین مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مسلمان خواتین کی ضروریات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مرتب کیا تھا۔

اس سے قبل یہ کتاب لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر قبولِ عام حاصل کر چکی ہے۔ اب مکتبۂ زریں نے عام کتابی سائز میں خوبصورت پیپر بیک کے ساتھ اس کے دو حصّے شائع کیے ہیں اور تیسرے حصّے کی اشاعت کے بعد کتاب مکمل ہو جائے گی۔

مسلم خواتین کو اُن کی روزمرّہ زندگی کے مسائل و معاملات میں اسلامی خطوط پر چلانے اور اسلامی معاشرتی آداب سے آشنا کرنے کے سلسلے میں یہ کتاب نہایت ہی مفید ہے

(بقیہ اشارات) کی راہ ہموار ہو جو صرف آمریت کے زیرِ سایہ بار آور ہوسکتی ہے۔ اُن کی اِس صاف گوئی سے اُن کے اصل عزائم کھُل کر عوام کے سامنے آجائیں گے اور مُلک کے عوام اور عالمی برادری اُن کے بارے میں اپنے رویّہ کے متعلق حتمی طور پر کوئی فیصلہ کرسکیں گے۔ اُن کے موجودہ طرزِ عمل نے جس میں اوّل تا آخر تضاد ہی تضاد پایا جاتا ہے اُن کی شخصیت کو کافی حد تک گہنا دیا ہے اور ملک کے اندر اور باہر کوئی شخص بھی اُن پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اِس لیے اُنہیں چاہیے کہ وہ الحاد کو رنگین پردوں میں لپیٹ کر بیان کرنے کے بجائے کھُل کر یہ کہیں کہ وہ اشتراکی نظام کے علمبردار ہیں اور اُسے ہر قیمت پر اِس ملک میں نافذ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ صاف صاف بات کہنے سے اُن کے مرتبہ و مقام میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ اِس سے فائدہ یہ ہوگا کہ ایک طرف اشتراکیت کے چاہنے والے انہیں مخلص سمجھ کر اُن کی جدوجہد میں شریک ہوسکیں گے اور دوسری طرف مسلمانانِ پاکستان جو صرف نظامِ شریعت کا نفاذ چاہتے ہیں، اپنے لیے متبادل قیادت کا انتخاب کر کے اِس مقدس مقصد کی تکمیل کے لیے نئے عزم اور ولولے کے ساتھ سرگرمِ عمل ہوں گے۔ ہم اِسے ملک و ملّت کے ساتھ انتہائی بددیانتی سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص "مساواتِ محمدی" کے دلآویز نعرے کے ساتھ تختِ اقتدار پر براجمان ہو مگر حکومت کے بے پایاں وسائل کو آمریت اور اشتراکیت جیسے قطعاً غیر اسلامی نظامہائے زندگی کے فروغ کے لیے بے محابا استعمال کرنے لگے۔ جو آدمی اپنے عزائم کے بارے میں دیانتدار نہ ہو اُس سے یہ توقع کیسے وابستہ کی جا سکتی ہے کہ وہ زندگی کے کسی پہلو میں بھی مخلص ثابت ہوگا۔

(بقیہ احمد رائف مصری)

پولیس کی ضمنی میں اُس کے نام کے آگے لفظ "مفرور" لکھا ہوا تھا اور وہ تنہا وہ شخص تھا جو صحیح معنوں میں مفرور تھا۔ اور اُس کے سوا باقی جتنے لوگوں کے ناموں کے آگے "مفرور" لکھا ہوا تھا وہ مفرور نہ تھے مقتول تھے۔ (باقی)

☆ ڈاکٹر شہید کے مکمل حالاتِ زندگی

☆ شہادت کے واقعات بمعہ تصاویر

☆ ایک مردِ مومن اور مردِ درویش کی حقیقی جھلک

☆

سوانح ڈاکٹر نذیر احمد شہیدؒ

مؤلف: چودھری ایم خالد فاروق ایڈووکیٹ

☆

جس کی تیاری میں: ★ سینکڑوں احباب سے ملاقاتیں کر کے مواد حاصل کیا گیا۔

★ ساڑھے چار سال کا طویل عرصہ صرف ہوا۔

علاوہ ازیں

★ خصوصی انٹرویو: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ پروفیسر غفور احمد۔ سردار شیر باز خان مزاری۔

★ خصوصی مضامین: میاں طفیل محمد۔ نعیم صدیقی۔ ماہر القادری۔ ظفر جمال بلوچ۔

سائز: ۱۸×۲۲ — پونے چار سو صفحات — اعلیٰ طباعت — قیمت ۲۳/- روپے

آج ہی طلب کیجیے

ادارہ افکارِ نو۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۱۷۶۔ لاہور

ادارہ ترجمان القرآن۔ اچھرہ۔ لاہور

منصورہ بک سنٹر۔ ملتان روڈ منصورہ۔ لاہور

ادارہ تعمیر انسانیت۔ اردو بازار۔ لاہور

ترجمۂ قرآن مجید

مع مختصر حواشی

از: مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

اس میں مترجم نے قرآن حکیم کے متن اور تفہیم القرآن کے ترجمے کے ساتھ بہت مختصر حواشی درج کر دیے ہیں، تاکہ عام لوگ جو قرآن مجید کا سیدھا سادھا مفہوم سمجھنا چاہتے ہیں وہ ایک ہی جلد میں تفہیم القرآن کے خلاصے سے فائدہ اٹھا سکیں

جو حضرات پیشگی روپے روانہ کر دیں گے انہیں یہ مترجم ومحشّی قرآن مجید رقوم کی ترسیل کے مطابق ترتیب وار بھیجا جائے گا

هدیہ قسم اعلیٰ ۷۵/- روپے

هدیہ قسم دوم ۶۰/- روپے

پیشگی رقم ارسال کرنے والے حضرات سے محصول ڈاک نہیں لیا جائے گا

ناظم ادارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ - لاہور

فون نمبر: ۴۱۱۰۱۶ — ۴۱۱۰۱۷